تنظیمِ اسلامی

ستمبر ۲۰۰۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

عرض احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

کیسا جشن آزادی؟

شمسی تقویم کے اعتبار سے ہماری آزادی کو ساٹھ برس ہو گئے۔ حسب روایت اِس بار بھی قوم نے جشن آزادی منایا۔ اگرچہ لال مسجد کے اندوہ ناک سانحے کے سبب یہ جشن کسی قدر پھیکا رہا' کہ ملک کے حساس اور باشعور شہری اِس آپریشن کے نتیجے میں ہونے والی شہادتوں پر دل گرفتہ اور افسردہ تھے۔ تاہم قوم کی اکثریت بطور خاص نوجوان نسل نے' جو شعور و احساس سے یکسر عاری اور اسلام اور نظریۂ پاکستان سے بے گانہ ہے' جس انداز سے یومِ آزادی منایا' اُسے دیکھ کر دنیا کا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک سنجیدہ اور بیدار مغز قوم ہے۔ اخبارات کی رپورٹوں سے عیاں ہے کہ انتہائی غیر شائستہ انداز سے یہ دن منایا گیا۔ ہمارے نوجوان ہلڑ بازی کرتے رہے۔ بہت سوں نے سائیکلوں اور موٹر سائیکلوں پر ون ویلنگ کی' جس کے نتیجے میں کئی شاہراہوں پر ٹریفک جام ہوئی۔ پھر یہ کہ اِس سے چھ نوجوان جان کی بازی بھی ہار گئے۔ سینکڑوں افراد زخمی ہو گئے۔ یوم آزادی سے' جسے ہم ''عہد آزادی'' بھی کہتے ہیں' قوم کی شان و شوکت کا اظہار ہونا چاہیے' مگر ہمارے اطوار سے تو یہ ظاہر ہوا کہ ہم ایک پر وقار قوم نہیں' بلکہ ایک ایسا ہجوم ہیں جس کے افراد تہذیب و شائستگی سے عاری ہیں۔ ایسے افراد کہ جن کی نہ تو منزل ایک ہے اور نہ ہی ایک واضح نصب العین رکھتے ہیں۔ اقبال نے کیا خوب کہا تھا ؎

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں عیدِ محکوماں ہجومِ مؤمنیں!

بلاشبہ آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے' مگر اِس کا تقاضا غل غپاڑہ' ہلڑ بازی' غیر سنجیدگی کے مظاہرے اور چند رسمی اور سیاسی بیانات نہیں' بلکہ اِس کا اصل تقاضا یہ ہے ہم نعمت آزادی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔ اِس دن ہم شکرانے کے نوافل ادا کریں' اظہارِ تشکر کی محفلیں منعقد کریں۔ پھر یہ کہ اپنا احتساب کریں' اپنے روز و شب کا جائزہ لیں کہ آیا ہم نے قومی سطح پر اپنی ذمہ داریاں ادا کیں یا نہیں؟ اپنے طے شدہ اہداف اور بلند مقاصد کو حاصل کیا یا اُن سے پسپائی اختیار کی؟ ہم نے گزشتہ ساٹھ سالوں میں کیا کھویا اور کیا پایا؟ داخلی سطح پر کہاں

کہاں اور کس کس سے کوتاہی ہوئی؟ اور یہ تجزیہ کرتے ہوئے ٹھوس حقائق اپنے سامنے رکھیں۔ غلط اعداد و شمار پیش کر کے قومی ترقی‘ خوشحالی اور بین الاقوامی سطح پر قوم کی حیثیت اور مقام کے ضمن میں جھوٹے دعووں سے اجتناب کریں کہ یہ دعوے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور خود فریبی کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ہمیں اِس بات کا بھی پوری دل سوزی سے جائزہ لینا چاہیے کہ خارجی سطح پر اپنی پالیسیوں کی تشکیل میں ہم نے کس حد تک اپنے اساسی نظریۂ قومی امنگوں اور ملک وملت کے مفادات کو پیشِ نظر رکھا‘ نیز بحیثیت قوم آج دنیا کی نگاہ میں ہماری حیثیت اور مقام کیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم　　　کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

ہماری قومیت کی اساس دینِ اسلام ہے۔ ہم نے ہندوؤں سے الگ قومیت کی بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا تھا۔ بانیانِ پاکستان نے بجا طور پر کہا تھا کہ ہمارا مذہب‘ ثقافت‘ سماجی اقدار‘ رہن سہن اور طرزِ معاشرت الغرض کوئی بھی چیز ہندوؤں سے نہیں ملتی‘ لہٰذا مسلمانوں کے لیے علیحدہ خطۂ زمین ہو‘ جہاں وہ اپنے دین کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہم نے انفرادی سطح پر دین کو کتنا اختیار کیا اور اجتماعی سطح پر اِس کے عادلانہ اور منصفانہ نظام کے قیام کے لیے آیا کوئی کوششیں کیں یا اِس کے مخالف سمت اپنا سفر جاری رکھا‘ اور نفاذِ اسلام کا مطالبہ کرنے والوں کو نشانِ عبرت بنا دیا‘ اِس پر سوچ بچار بہت ضروری ہے۔

ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں اور پوری قوم کو اپنے اندر یہ اخلاقی جرأت پیدا کرنی چاہیے کہ اپنا احتساب کریں کہ آیا انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا یا نہیں؟ علماء کرام کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کریں۔ یہ اُن کی ذمہ داری تھی اور ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے‘ بے دینی والحاد کے سیلاب کے آگے بند باندھتے‘ مسلکی اور فرقہ وارانہ اختلافات سے بالاتر ہو کر افرادِ قوم کو منکرات سے روکتے اور اُن کی تباہ کاریوں سے بچانے کی سعی کرتے‘ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نفاذِ شریعت کے لیے ایک عوامی تحریک منظّم کرتے۔ کیا انہوں نے یہ ذمہ داری ادا کی؟ لال مسجد انتظامیہ نے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کیا‘ تو اُن کے طریق کار کو علماء نے غلط قرار دے دیا۔ اُن کا فرض یہ ہے کہ درست طریقۂ کار اور صحیح لائحہ عمل کے لیے قوم کی فکری رہنمائی کریں‘ نہ صرف رہنمائی کریں‘ بلکہ اِس طریقے کو اختیار کر کے نفاذِ اسلام کے عظیم مشن کے لیے بالفعل جدوجہد کریں۔

خود احتسابی کے حوالے سے سب سے بنیادی چیز اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

نگاہ میں ہم کہاں کھڑے ہیں اور یہ جاننے کا ذریعہ قرآن وسنت ہیں۔ اگر ہم کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نگاہ میں ہمارا کوئی مقام نہیں۔ ناشکری اور عہد شکنی کی پاداش میں ہم اُس کے عذابات کی زد میں آ چکے ہیں۔ اِس عذاب کی کئی صورتیں اور شکلیں ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں ہم پر خدائی عذاب کا کوڑا برسا اور وقت کی سب سے بڑی مسلمان ریاست دولخت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب ہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ملک میں امن وامان نام کی شے موجود نہیں' کسی کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل نہیں' عدل وانصاف عنقا اور انسانی حقوق کا احترام مفقود ہے۔ اگر ہم خلافت کا عادلانہ نظام قائم کرتے تو یقیناً آج امن وچین کی زندگی بسر کر رہے ہوتے' ہمیں عدل وانصاف میسر آتا' افرادِ قوم کو حقوق ملتے' داخلی اور خارجی سطح پر خوف اور خطرے سے نجات ملتی۔

عذابِ الٰہی کا ایک مظہر یہ ہے کہ ہماری قوم مرضِ نفاق کا شکار ہو چکی ہے' اور اِس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ اگر کوئی اُس سے کسی وعدے کے ساتھ دُعا کرے، مگر ضرورت پوری ہو جانے کے بعد اپنے عہد کو فراموش کر دے اور اُسے پورا نہ کرے تو اُسے نفاق میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ہم نے یہ ملک اللہ تعالیٰ سے اِس وعدے پر حاصل کیا تھا کہ اے اللہ! تو ہمیں ایک آزاد سرزمین عطا کر دے' تو ہم اُس میں تیرے دین کا بول بالا کریں گے۔ بانیٔ پاکستان نے اپنی متعدد تقاریر اور بیانات میں فرمایا تھا کہ ہماری منزل ایک اسلامی فلاحی ریاست کا قیام ہے' ایک ایسی ریاست جو قرآن وسنت کے دستور پر عمل پیرا ہوگی' جہاں خلافت کا نظام پوری آب وتاب سے نافذ اور قائم ہوگا، اور وہ پوری دنیا کے لیے مینارۂ نور ہوگی۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں درۂ خیبر تا راس کماری برعظیم پاک وہند کے مسلمانوں کی زبانوں پر جو نعرہ بکثرت گونجتا تھا وہ یہ تھا کہ ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ'' لیکن قیام پاکستان کے بعد ہم نے نفاذِ اسلام کا وعدہ بھلا دیا۔ بلکہ ڈھٹائی کی حد یہ ہے کہ بعض دانشور یہ کہنے لگے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہی نہیں۔ چنانچہ اِس عہد شکنی کی پاداش میں افرادِ قوم کے دلوں میں نفاق ڈال دیا گیا۔ اِس نفاق کی کئی جہتیں اور صورتیں ہیں۔ اِن میں سب سے نمایاں صورت اخلاق وکردار کا دیوالیہ پن ہے۔ احادیث میں نفاقِ کردار کی جو چار علامات بیان کی گئی ہیں' اگر ہم اپنا جائزہ لیں، تو وہ پوری کی پوری ہماری قوم میں موجود ہیں۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب ہی کی ایک صورت ہے کہ ہم پر ایسی قیادت مسلط ہے جو یہود ونصاریٰ کے ایجنڈے پر کاربند ہے۔ اگر یہ لوگ فی الواقع یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے

سے ملک کو بچایا جا سکتا ہے' تو اِن سے بڑا نادان اور احمق اور کوئی نہیں ہو سکتا.....اور اگر یہ جانتے بوجھتے اُن کے منصوبوں پر عمل پیرا ہیں' تو اِن سے بڑا منافق اور کوئی نہیں۔صورت جو بھی ہو' یہ لوگ ہم پر اللہ کا عذاب ہیں کہ انہیں ہمارے معاملے میں ذرا بھی اللہ کا خوف نہیں ہے۔ یہ اپنے لوگوں کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرتے ہیں' اور دین اللہ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے معصوم لوگوں کو ظالمانہ آپریشن کر کے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ایک مسنون دُعا کے الفاظ ہیں:

''وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا بِذُنُوْبِنَا مَنْ لَا يَخَافُكَ فِيْنَا وَلَا يَرْحَمُنَا''

''اور (اے اللہ) ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہم پر ایسے لوگوں کو مسلط نہ کرنا جو ہمارے معاملے میں نہ تو آپ سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی ہم پر رحم کرتے ہیں۔''

ہم آزادی کا جشن مناتے ہیں' لیکن ذرا یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آیا ہم صحیح معنوں میں آزاد ہیں بھی یا نہیں! آزاد تو وہ قومیں ہوتی ہیں جو اپنے فیصلے خود کریں' اور اِن فیصلوں میں اپنے مفادات کو پیشِ نظر رکھیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم امریکہ کے بے دام غلام ہیں۔ امریکہ سے احکامات آتے ہیں اور ہمارے حکمرانوں کے ذریعے یہاں نافذ کر دیے جاتے ہیں۔ ہمارے دیگر ملکی معاملات میں بھی امریکہ کی مداخلت خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے۔کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے آئندہ انتخابات کے حوالے سے وہاں سے بیانات جاری ہوتے ہیں اور ان انتخابات کے نتائج کے فیصلے بھی وہیں ہو رہے ہیں۔کون صدر ہوگا اور کون وزارتِ عظمٰی کے منصب پر فائز ہوگا' اب یہ بھی علانیہ طور پر امریکہ طے کرتا ہے۔ نیویارک ٹائمز کی رپورٹ ہے کہ امریکہ نے مشرف کو صدر اور بے نظیر بھٹو کو وزیراعظم بنانے کا فارمولا طے کر لیا ہے۔گویا اب الیکشن اگر ہوں گے تو عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ہوں گے۔عوام بے وقوف بن کر ووٹ ڈالنے جائیں گے۔ ووٹ کاسٹ کر کے' وہ اپنے تئیں یہ سمجھیں گے ہم نے اپنے ووٹوں سے حکومت منتخب کی ہے۔حالانکہ ہمارے مستقبل کے حکمرانوں کے فیصلے پہلے ہی کر لیے گئے ہیں۔کیا یہ تلخ حقائق نہیں؟ کیا آزادی اسی کو کہتے ہیں؟ کیا خودمختار قوموں کے یہی اطوار ہوتے ہیں؟ ہمارے لوگ جمہوریت کی رٹ لگا رہے ہیں۔ خدارا! پہلے آزاد قوم تو بنیے' اپنے آپ کو امریکہ کے چنگل سے تو نجات دلائیے۔اگر ہمارے فیصلے باہر ہوں' ہمیں حملے کی دھمکیاں دی جا رہی ہوں اور ہمارے حکمران امریکہ کے وائسرائے بنے ہوئے ہوں' تو پھر کون سی آزادی اور کون سی خودمختاری ہے' جس کا ہم جشن منا رہے ہیں؟oo

سیرت النبی ﷺ

سلسلۂ تقاریر ⑦

انقلابِ نبویؐ کے خلاف تخریبی ردّعمل

یعنی

''الفِتنۃُ الکُبریٰ''

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

آج کی نشست میں اپنی گفتگو کا آغاز مَیں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمانِ مبارک سے کر رہا ہوں: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ))[1] یعنی میں تو اخلاق کے محاسن کی تکمیل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ جہاں تک انفرادی اخلاق کا تعلق ہے وہ تو پہلے بھی بہت بلندی پر تھا۔ عفو و درگزر، احسان اور ایثار کی مثالیں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور ان کی سیرت میں بھی ملتی ہیں۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم تھی کہ: ''دشمن سے محبت کرو، اپنے آپ کو جھٹلا دو، مگر دوسرے کو جھوٹا نہ کہو!'' انہوں نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا اور پکڑ لیا تو اُس نے کہا مَیں چوری تو نہیں کر رہا تھا۔ آپؑ نے فرمایا: ''ہاں بھئی! میری آنکھ نے غلط دیکھا ہو گا!'' لیکن یہ انفرادی اخلاق تھا۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپؐ نے انسانیت کو اجتماعی اخلاق دیے اور نظامِ اجتماعی کو اخلاق کی بنیاد پر قائم کیا۔ ذہن میں رکھیے کہ رسول اللہ ﷺ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ دینِ حق کو ایک کامل دین کی حیثیت سے قائم کر کے اور چلا کر دکھا دینا اور اس کی برکات کا ظہور اس طرح ہونا کہ پوری نوعِ انسانی اُن سے متمتع ہو۔ مَیں اس کے لیے یہ

تشبیہہ دیا کرتا ہوں کہ جیسے کوئی انسان ایک حسین خواب دیکھے اور پھر اُس کی یاد اُس کے ذہن میں محفوظ و برقرار رہے۔ نوعِ انسانی کی اجتماعی یادداشت (collective memory) میں خلافتِ راشدہ اس حسین خواب کے مانند ہے جو بنی نوعِ انسان نے کبھی دیکھا تھا کہ اس روئے ارضی پر ایک نظام ایسا بھی ہے' اور یہ ہے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اصل اتمامِ حجت۔

لیکن اب آتا ہے اس کا انتہائی دردناک پہلو اور وہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے آخری ایّام میں ''الفتنۃُ الکُبریٰ'' کا ظہور۔ اس کو بالکل سائنسی انداز سے (scientifically) سمجھ لیجیے کہ یہ فتنہ اصل میں کیا تھا۔ واقعات کی تفصیل میں آدمی گم سا ہو جاتا ہے' لیکن یاد رکھیے ایک ہے علمِ تاریخ اور ایک ہے فلسفۂ تاریخ۔ فلسفۂ تاریخ میں یہ تفصیلات نہیں ہوتیں کہ فلاں واقعہ کس دن اور کس تاریخ کو پیش آیا' بلکہ فلسفۂ تاریخ یہ ہے کہ واقعات کیوں ظہور پذیر ہوتے ہیں' اجتماعی حادثات کے اسباب کیا ہیں؟ تو اب سمجھئے کہ یہ فتنہ اصل میں کیا تھا۔ اس کے پس منظر میں یہ سمجھ لیجیے کہ انقلاب کے ساتھ ردّ انقلاب (counter revolution) یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اس کا فلسفہ مَیں بیان کر چکا ہوں۔ ایسا ہمیشہ ہوتا ہے کہ کسی انقلاب کے تکمیلی مراحل جب بالکل اپنی آخری حدود کو پہنچتے ہیں تو مخالف قوتیں اپنی جان بچانے کے لیے دبک جایا کرتی ہیں' اور منتظر رہتی ہیں کہ جب موقع ملے گا تو ہم انتقام لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے عرب میں انقلاب مکمل فرمایا۔ اس کے خلاف جو تحریکیں اٹھیں اُن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبرد آزما ہوئے۔ پھر خلافتِ فاروقیؓ وعثمانیؓ کے دوران بین الاقوامی سطح پر انقلابِ محمدیؐ کا جو سیلاب آیا اس کے متعلق یہ ذہن میں رکھیے کہ اس سلسلے میں کون کون سی زخم خوردہ (aggrieved) قوتیں تھیں جن کی کمر ٹوٹی اور کون کون سے گروہ تھے جنہوں نے زِک اٹھائی۔ یہ تجزیہ بڑا عجیب ہوگا' ذرا توجہ کو مرتکز کیجیے۔

جہاں تک شرک کا تعلق ہے' اُس کا تو قلع قمع ہو چکا تھا اور وہ بالکلیہ ختم ہو چکا تھا۔ باقی دو مذاہب تھے عیسائیت اور یہودیت۔ یہ دونوں وہ مذاہب تھے جن سے اسلام کا

براہِ راست تصادم ہوا' اور دو ہی سیاسی قوتیں' یعنی سلطنتِ روما اور سلطنتِ کسریٰ تھیں' جن سے اسلام کا تصادم ہوا۔ یہود و نصاریٰ میں سے نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کوئی تصادم نہیں ہوا۔ جزیرہ نمائے عرب میں نجران وغیرہ کے مقامات پر جو عیسائی تھے انہوں نے معاہدہ کر لیا تھا۔ البتہ یہودیوں کا معاملہ دوسرا تھا۔ مَیں بیان کر چکا ہوں کہ مدینہ منورہ سے بنوقینقاع اور بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا' جبکہ بنوقریظہ کے کئی سو افراد قتل ہوئے۔ خیبر یہود کا بڑا قلعہ تھا' وہ اُن کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ مذہبی سیادت اور چودھراہٹ ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ لہٰذا مذہبی سطح پر یہودیت اسلام کی سب سے بڑی دشمن تھی۔ اب آپ الجبرے کے سوالات کی طرح درجہ بدرجہ چلتے ہوئے ایک نتیجہ نکال کر رکھ لیجیے۔ مَیں عرض کر چکا ہوں کہ سیاسی اور مملکتی سطح پر سلطنتِ روما کی تین ٹانگیں تھیں' خلافتِ راشدہ کے دوران ان میں سے دو ٹوٹ چکی تھیں' ایک برقرار تھی۔ تاہم اس کا نام نہیں مٹا تھا' وہ تو اُس وقت مٹا جب قسطنطنیہ فتح ہوا۔ لیکن سلطنت کسریٰ تو اس طرح نیست و نابود ہو گئی جیسے کہ اس کا وجود ہی نہ تھا۔ یہ وہ مملکت تھی جو پورے عرب کو اپنی جاگیر سمجھتی تھی' جس کے حکمران نے آنحضور ﷺ کو اپنی رعیت کا ایک فرد سمجھ کر آپؐ کی گرفتاری کا حکم دیا تھا۔ ذرا اُس کے طنطنے اور اس کے غرور کا تصور کیجیے ـــــ اور پھر یہ بھی تصور کیجیے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔

انقلابِ نبویؐ پر ایرانی مجوسیت کا حملہ

فلسفۂ تاریخ کے اعتبار سے ایک اور بات بڑی اہم ہے کہ سلطنت روما ''ہر دیسی'' (cosmopolitan) تھی۔ اس میں بے شمار قومیتیں اور نسلیں آباد تھیں اور بے شمار زبانیں اُس میں بولی جاتی تھیں۔ کوئی ایک مرکزی تصورِ قومیت (Nationalism) اس کی پشت پر نہ تھا' جبکہ ایران میں ایک زبان' ایک کلچر' ایک تہذیب اور بہت حد تک ایک نسل تھی' اور اس طرح وہاں پر ایک بہت بڑا قومیتی جذبہ (Nationalist Sentiment) موجود تھا۔ یاد رہے کہ شاہِ ایران رضا شاہ پہلوی نے ایرانی بادشاہت کا اڑھائی ہزار سالہ جشن منا کر اپنی پرانی بنیادوں کو از سرِ نو زندہ اور تازہ کرنے کا جو عزم کیا

تھا اس کا رشتہ اُسی ایرانی قومیت سے جوڑا گیا تھا۔

''شاہنامۂ ایران'' کے خالق فردوسی نے عربوں کے بارے میں جو اشعار کہے ہیں، وہ ایرانیوں کی ذہنیت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ دیکھئے اُس نے عربوں کے متعلق کس قدر نفرت اور استہزاء کا اظہار کیا ہے: ؎

زشیرِ شُتر خوردن و سُوسمار عرب را بجائے رسید است کار
کہ مُلکِ کیاں را کُند آرزو تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو!

یعنی یہ اُونٹنیوں کا دودھ پینے والی اور سوسمار (گوہ) کھانے والی اُجڈ، گنوار اور وحشی عرب قوم، اُس کی یہ جرأت کہ عظمت و سلطنتِ کیانی حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگی!

یہی وہ مقام ہے جہاں سے انقلاب مخالف قوتیں اُبھری ہیں اور انتقام کا آغاز ہوا ہے، جس کا پہلا مظہر شہادتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہے۔ خلافتِ راشدہ پر پہلا وار ایران کی طرف سے ہوا جو بڑا بھرپور وار تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل ابولؤلؤ فیروز مجوسی تھا جو جنگِ نہاوند میں گرفتار ہو کر غلام بنا اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے حصے میں آیا۔ اُس کا پشت پناہ ایک سابق ایرانی گورنر ہرمزان تھا۔ یہ ایک مکمل سازش تھی۔ ابولؤلؤ فیروز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کئی دن پہلے دھمکی دے گیا تھا۔ وہ بظاہر شکایت لے کر آیا تھا کہ مجھ پر میرے مالک مغیرہ بن شعبہ نے ٹیکس زیادہ مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ کیا کیا فن جانتے ہو؟ اُس نے اپنے فنون گنوائے کہ مَیں فلاں کام بھی جانتا ہوں، فلاں کام کا بھی ماہر ہوں، چکیاں بھی بناتا ہوں، ہتھیار بنانا بھی جانتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: پھر تو یہ رقم زیادہ نہیں۔ طیش میں آ کر جانے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر چکیاں بنانا جانتے ہو تو میرے لیے بھی ایک چکی بنا کر لانا۔ کہنے لگا: آپ کے لیے تو میں وہ چکی بناؤں گا جسے دنیا یاد رکھے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔ لیکن وہاں اندیشۂ نقص امن یا سیفٹی ایکٹ جیسے قوانین تو موجود نہیں تھے کہ فوراً گرفتار کر لیا جاتا۔ اسلام میں حریت ہے۔ جب تک کسی جرم کا ظہور نہ ہو سزا نہیں دی جا سکتی۔ محض گمان پر تو کوئی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ شہادتِ عمر فاروقؓ سے شاید ایک ہی دن

پہلے حضرت عمرؓ کے صاحبزادے نے دیکھا کہ ہرمزان اور ابولؤلؤ کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ جب دیکھا کہ کوئی آ رہا ہے تو گھبرا کر وہاں سے ہٹے۔ گھبراہٹ میں ایک خنجر بھی گرا جسے اُس نے اٹھا لیا۔ ہرمزان کے ساتھ اُس کی یہ ملاقات' گھبراہٹ اور خنجر' سارے قرائن پوری کہانی خود کہہ رہے ہیں' سارے شواہد موجود ہیں۔ پھر مسجدِ نبویؐ میں جس طرح یہ واقعہ پیش آیا اُس سے بھی پتا چلتا ہے کہ یہ یقینی طور پر ایک سازش تھی۔

یہ بات ذہن میں رکھیے کہ ایرانیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اتنی دشمنی کیوں تھی۔ دشمنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی تھی' مگر اتنی نہیں۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں شامِ کسریٰ کی فتوحات کا صرف آغاز ہوا تھا' جبکہ فرمانِ نبویؐ کے مطابق سلطنتِ کسریٰ کو پُرزے پُرزے کرنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اس لیے ان کی اصل عداوت' دشمنی اور بغض اُن سے ہے۔ چنانچہ جو ذرا معتدل قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیتے ہیں' لیکن جو چرکا انہوں نے حضرت عمرؓ کے ہاتھوں کھایا ہوا ہے اُس کو کیسے معاف کر دیں؟ اُن کے ہاں ابولؤلؤ فیروز کی تصاویر مقدس سمجھی جاتی ہیں اور اس طرح آویزاں کی جاتی ہیں جس طرح ائمۂ اہل بیت کی۔ یہ تاریخی حقیقت ہے' اس کو سامنے رکھیے۔ سمجھا یہ گیا تھا کہ شاید عمرؓ ہی بھاری پتھر ہیں' یہ ہٹ گئے تو معاملہ صاف ہو جائے گا۔ لیکن معلوم ہوا کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا انقلاب اتنا بودا نہیں تھا۔ اگرچہ عمرؓ ہٹ گئے' لیکن میدان صاف نہ ہوا۔

انقلابِ نبویؐ پر یہودیت کا حملہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دَورِ خلافت' جیسا کہ مَیں عرض کر چکا ہوں' پہلے دس سال تک اُسی دورِ فاروقی کی سی شان کا حامل رہا۔ لیکن اب اس پر یہود کی طرف سے بڑا زبردست وار ہوا۔ یہود نے اس کے لیے جو سازش تیار کی وہ اپنے نقطۂ عروج کو پہنچی ہوئی سازش ہے۔ دنیا گواہ ہے کہ یہودیوں کی سازشوں نے بڑی بڑی سلطنتیں اُلٹ کر رکھ دیں۔ علامہ اقبال کا مشاہدہ ہے کہ ع ''فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!'' ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا صدر ہر وقت خائف رہتا ہے کہ کہیں یہودی ناراض نہ ہو جائیں'

ورنہ کوئی نہ کوئی سکینڈل شروع ہو جائے گا۔ یمن کا ایک یہودی عبداللہ بن سبا اسلام کا لبادہ اوڑھ کر آیا اور اس نے اپنی سازش کا جال پوری سلطنت میں پھیلا دیا۔ تاریخ اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ پال (Paul) ساری عمر حضرت مسیح علیہ السلام کی مخالفت کرتا رہا' مگر پھر اُس نے ایسا داؤ کھیلا کہ عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر اس کی جڑ کاٹ دی۔ اُس نے توحید کی جڑ کاٹی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت میں شریک کر دیا اور اس طرح عیسائیت میں انسان پرستی کو داخل کر دیا۔ واقعۂ صلیب پر ایسی جذباتی فضا پیدا کی کہ دینِ حق کہیں کا کہیں رہ گیا اور عیسائیت کی بنیاد تثلیث اور مظلومیتِ مسیح پر قائم ہوگئی۔ یہ مثال اس لیے پیش کر دی گئی ہے کہ مبادا آپ کو یہ خیال ہو کہ ایک یہودی عبداللہ بن سبا اتنا بڑا کام کیونکر کر سکتا ہے؟ آپ دیکھ لیجیے' کیا پال اکیلا نہ تھا؟ مگر اس نے مسیحیت کا نقشہ ہی تبدیل کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ایک غیر معمولی ذہنی صلاحیت رکھنے والا آدمی اکیلا ہی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور خلافتِ راشدہ کے خاتمے اور مسلمانوں کو باہم لڑانے کے منصوبے پر کام شروع کر دیا۔ کانا پھوسی کی ایک مہم شروع ہوگئی کہ حکومت وسلطنت تو آنحضور ﷺ کے خاندان' یعنی آپؐ کے اہل بیت' بیٹی کی نسل یا داماد کا حق تھا' یہ کسی اور کے پاس کیسے چلی گئی؟

قبائلی عصبیت کے بارے میں یاد رکھیے کہ یہ دورِ نبویؐ میں بالکل ختم نہیں ہوگئی تھی۔ چنانچہ ایسے واقعات موجود ہیں کہ کبھی انصار ومہاجرین کے درمیان تلواریں کھنچ جاتی تھیں اور کبھی اوس وخزرج کے درمیان۔ یہ تو آنحضور ﷺ کا وجودِ مسعود تھا جس کی وجہ سے بات آگے نہیں بڑھتی تھی۔ قبائلی عصبیت کی چنگاری دب تو گئی تھی مگر موجود ضرور تھی' اور سازشی ذہن کی ذہانت وفطانت یہی ہے کہ دیکھے کہ چنگاری کہاں دبی ہوئی ہے جسے پھونک مار کر بھڑکا دیا جائے۔ چنانچہ اس چیز کو اٹھانا تھا کہ کہانیاں کھڑی ہوگئیں' فلسفے جنم لینے لگے۔ حضرت عثمانؓ پر ذاتی طور پر تہمتیں تراشی گئیں' قصے مشہور ہوگئے۔ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ دوسرے کے بارے میں اچھی بات مشکل سے مانتا ہے' مگر بُری بات کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ جیسے آنحضور ﷺ کے زمانے میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ

صدیقہ ؓ پر بڑی گھٹیا تہمت لگی' اور قرآن گواہ ہے کہ بعض مؤمنین صادقین بھی اس میں ملوث ہو گئے۔ یہ انسان کی فطری کمزوریاں ہیں۔ بہرحال اب تو وقت کے دریا میں بہت سا پانی گزر چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کو لگ بھگ پچیس سال ہونے کو آئے تھے' ربع صدی بیت گئی تھی' کبار صحابہؓ کی بڑی تعداد اُٹھ گئی تھی۔ چنانچہ اب تو افواہوں کے لیے پہلے کے مقابلے میں میدان کہیں زیادہ ہموار تھا۔ افواہوں کی مہم اس طرح چلائی گئی کہ اگر شام میں ہیں تو مصر کے گورنر کی برائی ہو رہی ہے' اور حجاز میں ہیں تو شام کے گورنر کی برائی ہو رہی ہے۔ اس طرح ہر جگہ حضرت عثمانؓ کی برائی ہو رہی ہے کہ انہوں نے گورنروں کی تقرری میں دیانت داری سے کام نہیں لیا۔ یہ ہے اصل **بنیاد الفتنة الکبریٰ** کی۔ یہ ہے وہ محرک جس نے تاریخِ اسلامی کے پہلے عظیم فتنے کی بنیاد ڈالی۔ اور یہ عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ فتنہ پردازی کے لیے شیعانِ علیؓ کے نام کا لبادہ اوڑھا گیا اور اس کے لیے ایران کی زمین بہت زرخیز ثابت ہوئی۔

مَیں نے عرض کیا تھا کہ مذہب کی سطح پر انقلابِ نبویؐ سے سب سے زیادہ متأثر اور زخم خوردہ (aggrieved) یہودیت تھی' سبائیت اسی کا شاخسانہ ہے۔ جبکہ مملکت کی سطح پر سب سے زیادہ زخم خوردہ ایرانی قوم تھی' جو بڑی نسل پرست قوم تھی۔ چنانچہ پہلا وار ایرانیوں نے کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور دوسرا وار یہودیت نے کیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہو گئی۔ اور پھر ان دونوں فتنوں نے ایک مشترکہ شکل اختیار کر لی' جس کا مرکز ایران بن گیا۔ اتفاقی طور پر نہیں' بلکہ یہاں اس کو سازگار ماحول مل گیا کہ اس کی جڑیں اس سرزمین میں نیچے اتر سکیں جہاں یہ دونوں رشتہ داریاں (affinities) جمع ہو سکیں۔

تاریخ اسلام کی مظلوم ترین شہادت

مَیں نے اپنے کتابچے ''شہیدِ مظلومؓ'' میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے کیونکہ شہادتِ عثمانؓ تاریخِ اسلامی کا سب سے زیادہ اندوہ ناک واقعہ ہے۔ غیروں نے حضرتِ عثمانؓ پر جو ظلم کیے اور ستم ڈھائے اُن کا تو مَیں ذکر نہیں کرنا چاہتا' حد یہ ہے کہ خود

اپنوں نے بھی ان پر بڑا ظلم کیا ہے اور ان پر اقرباء پروری اور بیت المال کے استعمال میں بے احتیاطی وغیرہ کے الزامات لگائے ہیں۔ یہ الزامات حضرت عثمان ذوالنورینؓ پر لگائے جا رہے ہیں جن کے عقد میں آنحضورﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں دیں اور فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو بھی یکے بعد دیگرے عثمانؓ کے نکاح میں دیتا چلا جاتا۔ یہ وہ عثمانؓ ہیں جن کے متعلق آنحضورﷺ فرماتے ہیں کہ ''ہر شخص کا ایک رفیق ہوتا ہے اور عثمانؓ میرا جنت کا رفیق ہے!'' جن کے بارے میں آپﷺ کا ارشاد ہے کہ ''فرشتے بھی عثمان سے حیا کرتے ہیں''۔

غزوۂ تبوک میں رسول اللہﷺ حضرت عثمانؓ کے نقد انفاق اور اونٹوں اور گھوڑوں کی صورت میں امداد پر اس قدر خوش ہوئے کہ اُن کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ ''اس کے بعد عثمانؓ جو چاہے کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا''۔ غزوۂ تبوک کا دوسرا نام جیش العسرۃ ہے' اس لیے کہ ان دنوں مسلمانوں کی مالی حالت بہت پتلی تھی' دور دراز کا سفر درپیش تھا اور رومیوں جیسی طاقت کا سامنا تھا۔ آپﷺ نے انفاق کے لیے اپیل کی۔ پہلے حضرت عثمانؓ نے سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کیے' آنحضورﷺ خوش ہو گئے' مگر اپیل جاری رہی۔ حضرت عثمانؓ ہر بار سو اونٹ پورے ساز و سامان سمیت دیتے چلے گئے تا آنکہ اونٹوں کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی۔ اس کے باوجود اپیل جاری رہی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں لا کر آنحضورﷺ کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضورﷺ کا چہرہ فرطِ مسرت سے اس طرح سرخ ہو گیا جیسے کسی نے آپؐ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیے ہوں۔ آپﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں' تو بھی اُس سے راضی ہو جا!'' وہ عثمانؓ جو کامل الحیاء والایمان ہیں اُن پر ایسی تہمت! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عثمانؓ کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کمزور تھے۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ بوالعجبی کوئی ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کمزور آدمی کو غصہ بہت جلد آتا ہے' جبکہ وہ انسان قوی ہوتا ہے جسے غصہ نہیں آتا۔ آنحضورﷺ کا

ارشاد ہے:

((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ' اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ)) (۲)

''پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں کسی کو پچھاڑ دے' پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھ سکے!''

کمزور آدمی کے ہاتھ میں اگر طاقت آ جائے تو وہ کیا کچھ نہ کرے گا؟ اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ ہے' ایک دو دن کی بات نہیں' پچاس دن کا محاصرہ ہے۔ پانی تک بند ہو چکا ہے۔ وہ بئر رومہ جو حضرت عثمانؓ نے ذاتی طور پر خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا' اُس کا پانی خود اُن پر بند ہے۔ وہ کنواں یہودیوں کی ملکیت تھا اور مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں بڑی دقت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منہ مانگے دام دے کر اسے خریدا اور وقف کر دیا تھا۔ محاصرے کی شدت کا یہ عالَم تھا کہ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی کچھ امانتیں حضرت عثمانؓ کے پاس تھیں' وہ انہیں واپس لینے کے لیے جانے لگیں تو ساتھ ایک مشکیزہ پانی کا بھی لے لیا' مگر بلوائیوں نے اس مشکیزے میں بھی چھید کر دیے اور پانی بہا دیا۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ کی بے عزتی بھی کی گئی۔ ان حالات میں حضرت عثمانؓ ایک فیصلہ کر کے اس پر ڈٹے ہوئے ہیں ——— اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ میں اپنی حفاظت میں کسی کلمہ گو مسلمان کا خون نہیں بہاؤں گا۔ کیا کوئی کمزور آدمی اس طرح ڈٹ سکتا ہے؟ ذرا سوچیے' اس کے لیے کیسی عزیمت اور کیسی پختہ قوتِ ارادی درکار ہے!

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُس وقت کیسی وسیع و عریض مملکت کے فرمانروا تھے۔ قرآن مجید میں ذوالقرنین کا ذکر بڑی شان و شوکت کے ساتھ آیا ہے۔ مطلع الشمس اور مغرب الشمس تک اُن کی مہم جوئی کا ذکر ہے۔ اس کے باوجود اُن کی حدودِ مملکت حضرت عثمانؓ کی مملکت کے ایک تہائی سے زیادہ نہیں تھی۔ پھر آپؓ کے گورنر اور جرنیل بھی بڑے مدبر اور شان و شوکت والے ہیں۔ شام میں حضرت امیر

معاویہ ؓ اور مصر میں حضرت عمرو بن العاص ؓ آپؓ کے ماتحت ہیں اور لجاجت و اصرار سے کہہ رہے ہیں کہ آپ ہمیں ان بلوائیوں سے دودو ہاتھ کرنے کی اجازت دیں۔ مسلمانوں کی فوج اب ہزاروں سے متجاوز ہوکر لاکھوں تک پہنچ چکی تھی' جبکہ بلوائی صرف چند ہزار تھے' آپؓ فوج کشی کا اشارہ بھی کر دیتے تو ان بلوائیوں کی تکا بوٹی ہو جاتی' مگر نہیں! آپؓ کا موقف یہ تھا کہ بلوائی اپنی تمام تر شرارتوں کے باوجود بظاہر کلمہ گو ہیں اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا قانون ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُـهٗ ڈھال ہے' جس پر کسی کلمہ گو مسلمان کی تلوار نہیں اُٹھ سکتی۔ یہ ڈھال کسی نے سچی اٹھائی ہے یا جھوٹی اٹھائی ہے' اس کا فیصلہ دنیا میں نہیں کیا جا سکتا' یہ صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ایک جنگ میں حضرت اسامہ ؓ نے ایک کافر پر تلوار اٹھائی' اُس نے فوراً کلمہ پڑھ دیا' مگر اٹھی ہوئی تلوار رک نہ سکی' وہ قتل ہوگیا۔ غالب خیال یہی تھا کہ اُس نے جان بچانے کے لیے جھوٹ موٹ کلمہ پڑھا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپؐ نے سخت سرزنش فرمائی اور کہا اُس وقت کیا کرو گے جب قیامت کے دن اُس شخص کا کلمہ تمہارے خلاف استغاثہ لے کر آئے گا کہ میرے ہوتے ہوئے اسے قتل کر دیا؟ تو کلمہ کی یہی ڈھال بلوائیوں کے پاس تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اس پر وار نہیں کیا' سارے وار اپنی ذات پر لے لیے کہ میرا خون تمہیں مطلوب ہے تو حاضر ہے' میں اپنی مدافعت میں کسی کلمہ گو کا خون نہیں بہاؤں گا۔ حضرت علی ؓ بار بار کہہ رہے ہیں کہ اجازت دیجیے۔ انصار کی طرف سے ترجمان بن کر حضرت زید بن ثابت ؓ آئے ہیں کہ ہمیں دوبارہ اللہ کا مددگار بننے کا موقع دیجیے' ہم نے اللہ کے رسولؐ کی مدد کی تھی اور اب خلیفۂ رسولؐ کی مدد کرنا چاہتے ہیں' اجازت دیجیے۔ مگر ادھر سے ایک ہی جواب ملتا ہے کہ: ''اَمَّا الْقِتَالَ فَلَا!'' یعنی جنگ کی تو اجازت نہیں! ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کمزور انسان تھے؟؟

حضرت عبداللہ بن سلام ؓ ایمان لانے سے پہلے بہت بڑے یہودی عالم تھے۔ وہ آئے اور محاصرہ کرنے والے بلوائیوں سے حضرت عثمانؓ سے ملاقات کی اجازت

مانگی' کیونکہ انہیں بھی کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ بلوائی خوش ہوئے' سمجھے کہ اپنا ہی آدمی ہے۔ کہا کہ اچھا جاؤ' مل لو۔ چنانچہ یہ گئے' گفتگو ہوئی' جس کے نتیجے میں سارے شکوک وشبہات ختم ہو گئے اور حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔ اب انہوں نے واپس آ کر ہجوم کے سامنے ایک خطبہ دیا کہ اے لوگو! مَیں نے اللہ کی کتاب تورات پڑھی ہے' اس میں ایک بات لکھی ہے' جس کے حوالے سے مَیں تمہیں خبردار کر رہا ہوں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نبی کو قتل کیا گیا ہو اور اُس کے بعد ستر ہزار انسان قتل نہ ہوئے ہوں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نبی کے خلیفۂ برحق کو قتل کیا گیا ہو اور اس کے بعد کم از کم ۳۵ ہزار انسان قتل نہ ہوئے ہوں! لہٰذا باز آ جاؤ اور خونِ عثمانؓ اپنی گردن پر نہ لو!—— اللہ کی نگاہوں میں یہ قیمت ہے نبی اور اس کے خلیفہ کی! چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بعد یہودیوں پر ٹائٹس رومی کو مسلط کیا گیا تھا' جس کی افواج کے ہاتھوں ایک لاکھ تیس ہزار یہودی قتل ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بلوائیوں کو خلیفۂ رسولؐ کے قتل کے ہولناک انجام سے خبردار کر کے انہیں ان کے اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی' لیکن انہوں نے آپؓ کی ایک نہیں سنی اور کہا کہ یہ بڈھا یہودی پاگل ہوگیا ہے' اسے نکالو۔ یہ عالَم تھا اُس وقت مخالفت کا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خون کے ان پیاسوں کو خطاب کیا اور فرمایا: مسلمانو! مَیں نے جس دن سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے' اس کے بعد میری زندگی میں کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا کہ مَیں نے ایک غلام کو آزاد نہ کیا ہو۔ اور اگر کسی جمعہ کو ایسا نہ کر سکا تو اگلے جمعہ کو اس کا فدیہ دیا اور ایک کی بجائے دو غلام خرید کر آزاد کیے۔ میرے احترامِ رسالت کا یہ عالَم ہے کہ جو ہاتھ مَیں نے بیعت کے لیے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا تھا اسے کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔ مگر ان لوگوں کے کانوں پر پردے پڑے تھے' ہر صدا اُن سے ٹکرا کر واپس آ جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر بلوائی آپؓ کے مکان میں داخل ہوگئے اور آپؓ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپؓ قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے تھے۔ یہ ہے اصل مظلومیت کی شہادت۔ پچاس دن کا محاصرہ

کوئی معمولی بات نہیں؛ جس کے دوران پانی تک بند کر دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس مظلومانہ شہادت پر پردے ڈالنے کے لیے ایک طبقہ کی طرف سے کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپؓ کے خانوادے کی پیاس کے بارے میں مبالغہ آمیز داستانیں گھڑی گئیں۔ مشہور روایات کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۷محرم الحرام کو میدانِ کربلا میں پہنچے تھے اور ۱۰ محرم کو ان کی شہادت ہوگئی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ چار دن پانی بند رہا۔ پھر حضرت حسینؓ کا قافلہ دریائے فرات سے کچھ ہی فاصلے پر مقیم تھا؛ جہاں تھوڑا سا گڑھا کھودا جائے تو پانی برآمد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ گڑھے کھودے گئے اور گدلا پانی فراہم کیا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یقیناً آسمانِ نبوت کا ایک درخشاں ستارہ ہیں اور ان کی شہادت ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ لیکن نسبت و تناسب تو دیکھئے۔ ایک شخص میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے قتل ہوا ہے؛ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور وہ ''فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ'' کا مصداق ہے۔ چنانچہ حضرت حسینؓ نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے؛ جس کا نقشہ ہمارے مرثیہ نگاروں نے خوب کھینچا ہے: ؎

''کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رُستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے!''

پھر یہ کہ اُس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس حکومت نہیں تھی۔ اور یہاں جیسا کہ مَیں عرض کر چکا ہوں؛ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اتنی بڑی سلطنت کے فرماں روا ہیں جو ذوالقرنین کی مملکت سے تین گنا بڑی ہے۔ شمالی افریقہ کے مغربی ساحل سے بلخ و بخارا تک آپؓ کی سلطنت کی حدود ہیں۔ آپؓ کے ایک اشارے پر لاکھوں کی تعداد میں فوجیں حرکت میں آسکتی ہیں؛ اس کے باوجود آپ کس مظلومیت کے ساتھ قتل ہوئے ہیں کہ کسی کلمہ گو کے قتل کا داغ اپنی گردن پر لے کر رخصت نہیں ہوئے۔ کوئی باہم نسبت ہے؟ لیکن اہل سنت میں سے بھی اس شہادت کے جاننے والے کتنے ہیں؟ تاریخ اسلام میں ایک سے ایک بڑھ کر شہادت ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کچھ کم ہے؟ وہ

اسداللہ واسد رسولہ ہیں۔ پھر حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شہادت کیا کم ہے؟ یہ وہ پہلا خون ہے جو اللہ کی راہ میں بہایا گیا۔ تو یہ سب شہادتیں چمن نبویؐ کے پھول ہیں‘ ایک سے ایک اعلیٰ‘ ایک سے ایک عمدہ۔ حق کی گواہی‘ صداقت کی گواہی‘ عدل کی گواہی‘ خیر کی گواہی‘ دین کی گواہی‘ قرآن کی گواہی‘ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی میں گردنیں کٹوانا اِس اُمت کا مقصدِ وجود ہے۔ اس کو ایک کہانی اور افسانہ بنا دینا اور سارے دین کو اس کے گرد چکر دے دینا‘ اس کے گرد انسان پرستی کے ہالے بُن دینا یہودیت کا کام ہے اور یہودیت ہمیشہ سازشوں کو پروان چڑھاتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنے والا کوئی آج تک پیدا نہیں ہوا‘ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہنے والے دنیا میں موجود ہیں۔ کیونکہ اس کے پیچھے کوئی ذہن کارفرما ہے۔ وہی عیسائیوں والی تثلیث یہاں بھی آ گئی۔ حضرت مریم کی جگہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دی گئی اور اس طرح تثلیث مکمل ہوگئی۔

جس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے‘ اُن کی ملکیت میں بیس غلام تھے۔ آپؓ نے ان کو بلا کر کہا کہ تم سب آزاد ہو۔ آپؓ نے ساری عمر کبھی شلوار نہیں پہنی تھی‘ اب شلوار منگوا کر زیبِ تن فرمائی‘ مبادا شہادت کے وقت ستر کھل جائے۔ حیا کا یہ عالم تھا! پھر اس شلوار کو کس کر باندھا اور اس طرح شہید ہونے کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے۔ ایسا نہیں ہوا کہ اچانک حادثہ ہو گیا ہو۔ روزہ رکھا ہوا ہے‘ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں‘ سورۃ البقرۃ میں **فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ** پر پہنچے تھے کہ شہید کر دیے گئے اور آپؓ کا خون ان الفاظ پر گرا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جو فرمایا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد چوراسی ہزار مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں‘ نیزوں اور تیروں کا شکار ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا عہدِ خلافت خانہ جنگی کی نذر ہو گیا!!

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا خواب بیان کیا کہ مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور عرش کا ایک پایہ تھام کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر

حضرت ابوبکر صدیق ؓ آتے ہیں اور آنحضور ﷺ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ پھر حضرت عمر فاروق ؓ آتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اچانک حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اس حال میں حاضر ہوتے ہیں کہ اُن کا کٹا ہوا سر اُن کے ہاتھوں میں ہے اور وہ فریاد کرتے ہوئے آتے ہیں کہ اے اللہ! اپنے رسول ؐ کی اُمت سے پوچھ کہ انہوں نے کس جرم کی پاداش میں مجھے شہید کیا؟ اس پر عرشِ الٰہی تھرّاتا ہے اور زمین کی طرف خون کے دو پرنالے جاری ہو جاتے ہیں۔ خون کے یہ دو پرنالے جنگ صفین اور جنگ جمل ہیں جن میں مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون بہا۔

نتیجہ کیا نکلا؟ اس کو اس تناظر میں سمجھئے جسے علامہ اقبال مرحوم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ: ع ''تھمتا نہ تھا کسی سے سَیلِ رواں ہمارا!'' اب وہ سیلِ رواں تھم گیا۔ کوئی بیرونی قوت اسے روکنے والی نہ تھی' اسے اندرونی خلفشار نے روکا۔ باہر سے کون روک سکتا تھا؟ سلطنتِ روما کی ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں' سلطنتِ کسریٰ نیست و نابود ہو چکی تھی۔ اب اور کون سی طاقت رہ گئی تھی جو اس کے راستے میں مزاحم ہو سکتی؟ یہودیت کی سازش کے نتیجے میں ایسا اندرونی خلفشار پیدا ہوا جس نے اس بڑھتے ہوئے سیل رواں کو ایسا روکا کہ وہ آج تک رکا ہوا ہے۔ اس کے بعد کی تاریخ ''تاریخ اسلام'' نہیں ہے' بلکہ مسلمانوں کی تاریخ ہے۔ خلافت راشدہ' جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی' جو اللہ کے آخری رسول ﷺ کے مشن کی عالمی سطح پر تکمیل کی امین تھی' ختم ہو گئی۔ اگرچہ ہماری تاریخ کا یہ دَور بھی ایسا نہیں ہے کہ ہم اس پر بہت زیادہ شرمندہ ہوں۔ اس دور میں بھی مسلمانوں نے بڑی اعلیٰ حکومتیں قائم کیں' بڑے اعلیٰ حکمران پیدا کیے۔ تہذیب بھی ہے' تمدن بھی ہے' علوم بھی ہیں' فنون بھی ہیں' بہت اعلیٰ دَور ہے' جس میں مملکتوں کے مقابلے میں مملکت' سلطنتوں کے مقابلے میں سلطنت' بادشاہوں کے مقابلے میں بادشاہ نظر آتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی تقابل کیجیے تو اس کی بھی نظیر آپ کو نہیں ملے گی' لیکن جو چیز ختم ہو گئی وہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے کہ وہ نظام برپا ہی اس مقصد کے لیے ہوا تھا کہ پیغامِ

رسالت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو دنیا تک پہنچانا ہے۔ یہ ہے خلافت راشدہ کی اصل غرض وغایت اور اس کا مشن۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت: خلافتِ راشدہ کا خاتمہ؟

خلافت راشدہ کہاں ختم ہوئی؟ یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے، جس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیس سال تک خلافتِ راشدہ کا عرصہ ہے۔ اس کو سامنے رکھیے تو حضرت حسنؓ کی خلافت کے خاتمے پر وہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے خلفائے راشدین پانچ ہوئے: حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرتِ عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ۔ لیکن صحاح ستہ ہی میں ایک اور روایت بھی ملتی ہے جس میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے اور ان کے متعلق کہا گیا کہ یہ سب قریش میں سے ہوں گے۔ یعنی یہ امر بارہ خلفاء تک جاری رہے گا۔ جو لوگ اس تعداد کا اعتبار کرتے ہیں وہ خلافت راشدہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تک لے جاتے ہیں۔ اس دَور میں خلفائے اربعہ کے علاوہ نہ صرف حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ شامل ہوتے ہیں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز تک بنواُمیہ کا پورا ابتدائی دور بھی آ جاتا ہے۔

اس ضمن میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو بات کہی ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ وقیع اور مدلل ہے۔ شاہ صاحب کی رائے کے مطابق خلیفہ کی اپنی ذات اور اُس نظام کو جو قائم ہے، دونوں کو جدا جدا کر کے دیکھنا پڑے گا۔ اپنی ذات کے اعتبار سے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، ان کے بارے میں کسی کو اگر بدنیتی کا کوئی شائبہ ہے تو اس کا ایمان سلامت نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق جسے بدنیتی کا شبہ ہے وہ بھی اپنے ایمان کی خیر منائے۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً ان حضرات سے افضل ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ تین افراد کے سوا پوری اُمت مسلمہ میں افضل ترین انسان ہیں۔ خلفاءِ ثلاثہ حضراتِ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمان رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پوری اُمت میں افضل ترین انسان ہیں۔ اہل سنت میں کوئی شخص آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو امیر معاویہؓ کو

حضرت علیؓ سے افضل سمجھتا ہو۔ ایسا نقطۂ نظر قرآنی نصوص کے خلاف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١٠﴾ (الحدید)

''نہیں برابر تم میں سے وہ شخص کہ جس نے خرچ کیا تھا فتح مکہ سے پہلے اور لڑائی کی تھی۔ یہ لوگ بڑے ہیں درجوں میں ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا اس کے بعد اور لڑائی کی' اور ہر ایک کو وعدہ دیا ہے اللہ نے اچھا' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''۔

تو جب ان دونوں چیزوں یعنی خلیفۂ راشد کی ذات اور اُس کے عہد میں قائم نظام کو جدا کریں گے تو ایک عجیب بات سامنے آتی ہے کہ خلافتِ راشدہ ختم ہوگئی شہادتِ حضرت عثمانؓ پر۔ اُن کے بعد خلیفۂ راشد حضرت علی ؓ کی خلافت کا ساڑھے چار سالہ دَور باہمی خانہ جنگی کا دَور ہے' اس کے دوران محمدی مشن میں کوئی اضافہ نہیں ہوا' ایک انچ زمین بھی حدودِ بلادِ اسلامیہ میں شامل نہیں ہوئی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

دوسری بڑی حقیقت جس کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بیان کیا ہے' یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کی اوّلین خصوصیت اُمت مسلمہ کا مجتمع رہنا ہے۔ مگر حضرت علیؓ کے پورے دورِ خلافت میں اُمت یکجا نہ ہوسکی' باہم بٹی رہی۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اس طرح ایک بڑا علاقہ اور پورے کے پورے ممالک ان کی بیعت سے خالی رہے۔ تو یہ جو اُمت کا جمع ہوجانا ہے وہ خصوصیت بھی حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں موجود نہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مطابق حضرت علیؓ اپنی ذات میں تو بلاشبہ خلیفۂ راشد ہیں' لیکن ان کا دورِ حکومت خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی الزام حضرت علی ؓ کی ذات پر نہیں ہے۔ ایک خاص طبقے کے ردِّعمل کے طور پر ہمارے ہاں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے جس کے نتیجے

میں کچھ لوگوں کو حضرت علیؓ سے بغض ہو گیا ہے۔ یہ صورت حال بہت خطرناک ہے۔ یہ بھی سبائی سازش کا شاخسانہ ہے۔ یہ دو دھاری تلوار ہے۔ مسلمان اگر حضرت عثمانؓ کے بارے میں بدظن ہوں تو بھی ان کے پو بارہ ہیں اور اگر حضرت علیؓ سے بدظن ہوں تو بھی ان کی سازش کامیاب ہے' انہیں کوئی گھاٹا نہیں۔ گھاٹا دونوں اعتبارات سے اُمت مسلمہ کا ہے۔ حقیقت میں وہ بھی اُمت مسلمہ کے گلِ سرسبد ہیں اور یہ بھی۔ وہ بھی تربیت محمدیؐ کے شاہکار ہیں اور یہ بھی تعلیم وتزکیۂ محمدیؐ کے شاہکار ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی مجروح کرتے ہو تو محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی تربیت پر حرف آتا ہے۔

مناقشاتِ صحابہؓ کے بارے میں معتدل رائے

اس ضمن میں معتدل رائے یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو مناقشات ہوئے ان میں کسی کی بدنیتی کا کوئی دخل نہیں۔ صرف غیروں کا ڈالا ہوا پیچ تھا جو اِس عیاری کے ساتھ ڈالا گیا کہ انتہائی خلوص کے باوجود حل نہیں ہوا۔ لیکن الزام نہ حضرت عثمانؓ پر آتا ہے' نہ حضرت علیؓ پر' نہ حضرت معاویہؓ پر' نہ حضرت عمرو بن العاصؓ پر اور نہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر' کیونکہ ''اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ!'' پیچیدگیاں واقعتاً پڑی ہیں مگر ڈالی اغیار نے ہیں' اور اس طرح ڈالی ہیں کہ ان کا حل ممکن نہ ہوا۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے باہمی اختلاف کے بارے میں اہل سنت کا تقریباً اجماع ہے کہ غلطی حضرت معاویہؓ کی تھی' لیکن غلطی اور شے ہے' بدنیتی اور شے ہے' ان دونوں کو ایک دوسرے سے بالکل جدا رکھیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ نبی کے سوا معصوم کوئی نہیں ہوتا' غیر نبی سے خطا ہو سکتی ہے' غلطی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ غلطی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی ہو سکتی ہے' حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے بھی ہو سکتی ہے اور حضرت معاویہؓ سے بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اجتہادی غلطی پر بھی اجر ملتا ہے۔ آپ نے نیک نیتی سے ایک فیصلہ کیا' اگرچہ غلط ہو گیا' مگر اس میں نیت کے اخلاص پر بھی اجر ہے۔ یہ ہے اہل سنت کا موقف!

اس اعتبار سے اہل سنت اور اہل تشیع کے موقف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ان کے نزدیک حضرت علیؓ حق پر تھے اور معصوم تھے' اور جو معصوم کے مقابلے میں آیا اس کا تو اسلام بھی معتبر نہیں۔ اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ معصوم نہیں' خطا ان سے بھی ہوسکتی تھی۔ اس اعتبار سے اگر کوئی کہتا ہے کہ خطا حضرت معاویہؓ کی تھی' اگرچہ بدنیتی نہ تھی' تو یہ بات درست ہے۔ اور اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ نہیں' غلطی حضرت علیؓ کی تھی تو وہ حالات و واقعات اور دلائل و براہین کی بنیاد پر کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ معصومیت نہ اِدھر حائل ہے نہ اُدھر۔ پھر یہ بھی مدنظر رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا کہ معاویہ! پہلے تم بیعت کرو' پھر مَیں قاتلین عثمانؓ سے قصاص لوں گا' جبکہ حضرت معاویہؓ کے سامنے زمینی حقائق تھے' ان کو نظر آ رہا تھا کہ قاتلینِ عثمانؓ اِس وقت حضرت علیؓ پر چھائے ہوئے ہیں' جوں ہی مَیں نے بیعت کی ان کے ہاتھوں میری گردن سلامت نہیں رہے گی' آگے قاتلینِ عثمانؓ گرفت میں آتے ہیں یا نہیں' اس کا کچھ پتا نہیں! تو یہ ہے وہ چکر جس نے سب کو حیران و سرگرداں کر دیا تھا۔ لہٰذا اس کا الزام نہ حضرت عثمانؓ کو دیجیے' نہ حضرت علیؓ کو اور نہ ہی حضرت معاویہؓ کو۔ یہ تو اغیار کا پیدا کردہ ایک چکر اور پھندا تھا جس نے اُمت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا' جس سے اُمت آج تک آزاد نہیں ہوسکی۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولكم ولسائر المسلمين والمسلمات

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

حواشی

(۱) مجمع الزوائد للهيثمی ۱۸/۹۔ لطائف المعارف لابن رجب : ۳۰۵۔ مختصر المقاصد للزرقانی : ۱۸٤۔ مسند احمد کی روایت میں ''صالح الاخلاق'' کا لفظ ہے۔

(۲) صحيح البخاری' كتاب الادب' باب الحذر من الغضب۔ وصحيح مسلم' كتاب البر والصلة والآداب' باب فضل من يملك نفسه عند الغضب وبای شیءٍ يذهب۔

سانحۂ لال مسجد و جامعہ حفصہؓ

انجینئر نوید احمد ☆

۱۰؍جولائی کا دن بلاشبہ پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن تھا۔ اِس روز ایک مسلمان ملک میں ایک مسجد اور مدرسہ کا تقدس پامال کیا گیا' قرآنِ حکیم اور دینی کتب کی بے حرمتی کی گئی اور ایک خونی آپریشن کے ذریعہ ملک میں اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے سینکڑوں مَردوں اور خواتین کو شہید کر دیا گیا۔ حکومت نے شہادتوں کی اصل تعداد کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔ ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو مسجد' مدرسہ' ہسپتالوں اور قبرستان کے قریب آنے سے روک دیا گیا۔ البتہ عبدالستار ایدھی صاحب نے فرمایا کہ مجھے حکومت نے ۵۰۰ کفن تیار کرنے کا حکم دیا تھا اور میں نے ایک ہزار کفن تیار کیے۔ ایک گورکن نے بتایا کہ ایک تابوت میں دو دو لاشیں لائی گئیں۔ اُس نے خود ۷۰ سے زائد لاشوں کی تدفین کی۔ عبدالرشید غازی صاحب کی والدہ کی میت شناخت نہ ہوسکی۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ کئی خواتین کی لاشیں جلنے کی وجہ سے ناقابلِ شناخت ہوگئیں جن میں عبدالرشید غازی صاحب کی والدہ کی میت بھی شامل تھی۔ اِس جرمِ عظیم کے خلاف اگر ہم نے مؤثر آواز نہ اٹھائی تو پورے ملک پر اللہ کی طرف سے عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری عدالتوں کو توفیق عطا فرمائے کہ اِس سانحہ کی مکمل تحقیق کرائیں اور مجرموں کو بے نقاب کر کے قرارِ واقعی سزا دیں۔ آمین!

لال مسجد اور جامعہ سیدہ حفصہؓ کی حکومت کے ساتھ کشمکش جنوری ۲۰۰۷ء میں اُس وقت شروع ہوئی جب جامعہ حفصہ کی طالبات نے مدرسہ سے ملحق چلڈرن لائبریری پر بعض مطالبات منوانے کے لیے قبضہ کرلیا۔ اِس پورے معاملہ میں دو فریق تھے۔ ایک طرف غازی برادران' یعنی مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید اور دوسری طرف حکومت پاکستان۔ آیئے اِن دونوں کے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

غازی برادران کا طرزِ عمل

غازی برادران کے حوالے سے چھ باتیں قابل ذکر ہیں:

(۱) میڈیا پر کچھ لوگوں نے یہ تأثر دیا کہ غازی برادران اپنے مطالبات اور مقاصد میں مخلص نہیں ہیں۔ حکومت کے ساتھ اُن کی کشمکش نورا کشتی ہے جس کا مقصد بعض دیگر اہم مسائل سے توجہ ہٹانا ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ غازی برادران اپنے مقاصد اور تحریک کے حوالے سے بلاشبہ مخلص اور نیک نیت تھے۔ مؤرخہ ۳۰ جون ۲۰۰۷ء کو مولانا عبدالعزیز صاحب نے امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب سے اپنی ملاقات میں فرمایا کہ جو لوگ ہم پر بدنیتی کا الزام لگا رہے ہیں اُن پر لازم ہے کہ ثبوت پیش کریں۔ ہم اللہ کو گواہ بنا کر حلفیہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے مطالبات میں مخلص ہیں۔ بعد ازاں عبدالرشید غازی صاحب کی دلیرانہ شہادت نے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اپنے مقاصد میں مخلص تھے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کا برقعہ پہن کر مدرسہ سے باہر آنا شکوک وشبہات کو جنم دے رہا تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اُن کے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔ سرکاری ٹی وی پر اُن کی تضحیک نے اِس دھوکہ کو مزید واضح کر دیا۔ اُنہیں کہا گیا کہ ایک مقتدر شخصیت آپ سے خفیہ مذاکرات کرنا چاہتی ہے لہٰذا آپ رازداری سے باہر آجائیں۔ ایک خصوصی گاڑی بھی اُنہیں لینے کے لیے بھیجی گئی۔ مولانا اپنی سادہ لوحی میں اِس دھوکے کا شکار ہو گئے۔ حامد میر صاحب نے اپنے ایک کالم میں لکھا ہے کہ عبدالرشید غازی صاحب نے چوہدری شجاعت حسین صاحب سے کہا تھا کہ آپ ہم سے مذاکرات کر رہے ہیں جبکہ حکومت مجھے مارنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ حکومت نے دھوکے سے عبدالعزیز صاحب کو بلا کر گرفتار کر لیا اور مجھے دھوکے سے باہر بلا کر ہلاک کرنا چاہتی ہے۔ میں بزدلی سے جان دینے کے بجائے عزت کے ساتھ شہادت کی موت کو ترجیح دوں گا۔

غازی برادران کے مطالبات صد فیصد درست تھے۔ اُن کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ اسلام آباد میں جن مساجد کو شہید کیا گیا ہے اُنہیں دوبارہ تعمیر کیا جائے اور جن مساجد کو شہید کرنے کے نوٹس جاری کیے گئے ہیں وہ واپس لیے جائیں۔ اسلام آباد میں مشنری اسکولز، فحاشی کے اڈے، شراب خانے، قمار خانے، ڈانسنگ کلب، تفریح گاہیں، پارک، ہوٹلز موجود ہیں، لیکن حکومت کو دشمنی صرف مساجد سے ہے۔

(۲) اُن کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ پاکستان صرف اور صرف اسلام کے نفاذ کے لیے بنا

تھا۔ پاکستان بنانے والوں کی زبان، نسل اور ثقافت ایک نہ تھی۔ اُن کے درمیان واحد قدرِ مشترک اسلام کا رشتہ تھا۔ پاکستان کے قیام کو ساٹھ سال مکمل ہو گئے لیکن ہم نے یہاں پر اسلام کے نفاذ کے حوالے سے پیش رفت نہ کی۔ پاکستان میں قائم نظام کافرانہ ہے، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور جو لوگ اللہ کے اُتارے ہوئے کلام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے پس وہی لوگ کافر ہیں''۔

(۳) غازی برادران کی یہ بات بھی درست ہے کہ انتخابی طریقۂ کار سے اِس ملک میں اسلام کا نفاذ ممکن نہیں۔ مولانا عبدالرشید غازی صاحب نے روزنامہ جنگ میں اپنی ایک تحریر کے ذریعے انتخابی طریقۂ کار سے اپنی مایوسی کا اظہار کیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں عام انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوتی ہیں اور اسمبلیوں میں عوام کے حقیقی نمائندے کم ہی پہنچ پاتے ہیں۔ اِس کے باوجود ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں پہلی بار مذہبی جماعتوں کے ممبران بڑی تعداد میں منتخب ہو گئے۔ اِن ممبران کے تعاون سے قومی اسمبلی نے دستور میں سترہویں ترمیم منظور کی، لیکن اِس ترمیم میں نفاذِ اسلام کے حوالے سے ایک شق بھی شامل نہیں۔ اِسی اسمبلی نے حدود آرڈیننس کو منسوخ کر کے نام نہاد تحفظ حقوق نسواں بل منظور کیا لیکن مذہبی جماعتیں کچھ نہ کر سکیں۔ مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں غازی برادران کا نفاذِ اسلام کے حوالے سے انتخابی طریقہ سے مایوس ہونا بالکل بجا تھا۔

(۴) غازی برادران کی یہ بات بالکل درست ہے کہ نہی عن المنکر کی ذمہ داری اُمت کے ہر فرد پر فرض کا درجہ رکھتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

''تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

اگر اُمت اپنا یہ مقصد پورا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکار ہو گی۔ از روئے حدیثِ نبویؐ:

((وَالَّذِی نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا

يُسْتَجَابُ لَكُمْ))(۱)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا' ورنہ پھر اِس کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی جانب سے ایک بڑا شدید عذاب بھیجے گا' پھر تم اُسے پکارو گے' لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی''۔

نہی عن المنکر کی ذمہ داری علماء اور صوفیاء پر اور زیادہ شدت کے ساتھ عائد ہوتی ہے:

﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۶۳﴾ (المائدۃ)

''کیوں نہیں روکتے اُن کے صوفیاء اور علماء اُنہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے؟ بلاشبہ بہت ہی بری کاری گری ہے جو وہ کرتے ہیں''۔

اِس آیت میں دین کی خدمت کرنے والے دو طبقات کا ذکر ہے' صوفیاء اور علماء۔ صوفیاء وہ ہوتے ہیں جو اِصلاحِ باطن اور تزکیۂ نفوس کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ علماء دین کے ظاہر اور حرام و حلال کے حوالے سے فقہی آراء سے بحث کرتے ہیں۔ یہ دونوں طبقات ہر دَور میں موجود رہے ہیں۔ اب اگر یہ طبقات کسی خوف یا لالچ کی وجہ سے نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کر کے محض فضائل کی تلقین اور اولیاء کے قصے ہی بیان کریں تو یہ ہے وہ بدترین کاری گری جس کی اِس آیت میں مذمت کی گئی ہے۔

اگر نہی عن المنکر کے فریضہ سے پہلوتہی کی جائے تو یہ عمل موجب لعنت ہوتا ہے' یعنی اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹﴾ (المائدۃ)

''جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے اُن پر داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اِس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (اور) بُرے کاموں سے' جو وہ کرتے تھے' ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے۔ بلاشبہ وہ بُرا کرتے تھے''۔

گویا اُمت مسلمہ پر فرض ہے کہ وہ نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرے اور اِس اعتبار سے غازی برادران نے اُمت کو صحیح طور پر متوجہ کیا۔

(۵) غازی برادران نے نہی عن المنکر کے حوالے سے جو طریقۂ کار اختیار کیا اِس سے

تمام جید علماء نے اختلاف کیا۔ علماء کا موقف تھا کہ غازی برادران نے اِس حوالے سے شریعت میں طے کردہ دائرۂ کار کو ملحوظ نہیں رکھا۔ نہی عن المنکر کے تین درجے ہیں، جو مندرجہ ذیل احادیث نبویؐ میں بیان کیے گئے ہیں:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))[۲]

''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اُسے چاہیے کہ وہ اِسے ہاتھ سے بدل دے، اگر اِس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے، اور اگر اِس کی بھی قوت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے''۔

((مَا مِنْ نَّبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِی اُمَّۃٍ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ یَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَ یَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ، ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَّقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاھَدَ ھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ، وَ لَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ))[۳]

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی اُمت میں کوئی نبیؑ نہیں بھیجا مگر یہ کہ اُس کے کچھ حواری اور صحابی ہوتے تھے جو اُس نبیؑ کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اُس کے احکامات کی پیروی کرتے تھے۔ پھر اُن کے بعد اُن کے جانشین ایسے لوگ بن جاتے ہیں جو کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں اور کرتے وہ ہیں جس کا انہیں حکم ہی نہیں دیا گیا۔ تو جو کوئی اُن سے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مؤمن شمار ہوگا، اور جو کوئی اُن سے زبان سے جہاد کرے گا وہ مؤمن شمار ہوگا اور جو کوئی اُن سے دل سے جہاد کرے گا وہ مؤمن شمار ہوگا۔ اور اِس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں''۔

اِن احادیث مبارکہ کی روشنی میں نہی عن المنکر کے تین درجے ہیں:

(i) ابتدائی درجہ یہ ہے کہ کسی منکر کو جب دیکھا جائے تو اُس سے دل میں شدید نفرت پیدا ہو جائے۔ اِس منکر کا ارتکاب کرنے والے سے کوئی قلبی محبت اور ہمدردی کا تعلق نہ رہے۔ البتہ ظاہری راہ و رسم کا تعلق رکھنا چاہیے تاکہ تبلیغ کے ذریعے سے اُسے منکر سے روکا جا سکے۔

(ii) نہی عن المنکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے منکر کے خلاف آواز اٹھائی جائے۔ دلسوزی

اور خیر خواہی کے جذبہ سے منکرات کے مرتکبین کو سمجھایا جائے۔ اِس مرحلہ سے پہلے ہی طاقت استعمال کرنا ان مرتکبین کے ساتھ زیادتی ہے۔ اِتمامِ حجت کے لیے ضروری ہے کہ طاقت سے منکر کو روکنے سے قبل سمجھانے کا حق ادا کر دیا جائے۔

(iii) نہی عن المنکر کا تیسرا اور اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ منکر کو ہاتھ سے یعنی قوت سے روکا جائے۔ اِس درجے پر اصل ذمہ داری صاحب اختیار کی ہے۔ اگر کسی گھر میں منکر کا ارتکاب ہو تو سربراہِ خاندان کی ذمہ داری ہے کہ اُسے بالفعل روک دے۔ اگر کسی ادارے میں غلط کام ہو رہا ہے تو ادارے کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ اُس کا سدّ باب کرے۔ اِسی طرح معاشرے میں کوئی برائی کی جا رہی ہے تو یہ ذمہ داری حکومت کی ہے کہ وہ اُس برائی کو روکنے کے لیے اقدامات کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (الحج: ٤١)

''(یہ مسلمان ایسے ہیں کہ) اگر ہم اُنہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، (لوگوں کو) نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے''۔

نہی عن المنکر بِالید کا ہدف عوام نہیں حکومت ہے۔ عوام کی املاک کو اِس حوالے سے نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص موسیقی کے آلات فروخت کر رہا ہو، اگرچہ یہ کام ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص اِن آلات کو توڑ دے تو اُسے اُس کے نقصان کی تلافی کرنا ہوگی۔ منکرات کے خلاف خود سے کوئی قدم اٹھانے کی شریعت میں اجازت نہیں، بلکہ اِس کے لیے حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے۔ قانون اپنے ہاتھ میں نہ لیں ورنہ لاقانونیت پھیل جائے گی اور لوگ جھوٹے سچے الزام لگا کر ایک دوسرے کو شرعی سزائیں دینا شروع کر دیں گے۔ غازی برادران نے فحاشی کا اڈہ چلانے والی خاتون، مساج سینٹر چلانے والی چینی خواتین اور ایک موقع پر پولیس اہلکاروں کو یرغمال بنا کر قانون اپنے ہاتھ میں لیا جو جائز نہیں تھا۔ البتہ حکومت اگر منکرات کو روکنے کا مطالبہ نہ مانے تو پھر ضروری ہے کہ ایسی حکومت کو تبدیل کر دیا جائے۔ حکومت کو تبدیل کرنے کے لیے کچھ شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے:

(i) حکومت کے خلاف احتجاج ملک گیر سطح پر منظّم کیا جائے۔ محض ایک مسجد یا محلّہ یا شہر کی حد تک

کسی احتجاجی تحریک کو سرگرم کر دینے سے حکومت پر نہ دباؤ ڈالا جا سکتا ہے اور نہ حکومت تبدیل کی جا سکتی ہے۔ صوبہ سرحد میں مذہبی جماعتوں کی حکومت ہے لیکن وہ اسلام کے نفاذ کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں کر سکی۔ حسبہ بل کو حکومت نے سپریم کورٹ کے ذریعہ معطل کر دیا۔ ویسے بھی سودی معیشت کی ترویج ہو، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ فحاشی کی ترویج ہو یا بعض دیگر خلافِ شریعت اُمور ہوں، وہ براہِ راست مرکزی حکومت کے اختیار میں ہیں۔ لہٰذا صوبہ کی حد تک بھی کسی تحریک کو سرگرم کر دینے سے حکومت کو ہلایا نہیں جا سکتا۔

(ii) کروڑوں کی آبادی والے ملک میں لاکھوں افراد کو منکرات کے خلاف ذہنی طور پر تیار کرنا ہوگا اور اِس حوالے سے مال اور جان کی قربانی دینے کے لیے متحرک کرنا ہوگا۔ جب لاکھوں افراد میدان میں آ کر منکرات کے خلاف احتجاج کریں گے تو حکومت اپنے رویہ پر نظر ثانی پر مجبور ہوگی یا حکومت کو تبدیل کرنا ممکن ہوگا۔

(iii) منکرات کے خلاف تحریک کو منظّم انداز سے چلانے اور حکومت کی معزولی کے بعد پائیدار مستحکم نظام چلانے کے لیے ضروری ہے کہ تحریک چلانے والے ایک امیر کی قیادت میں منظّم ہوں۔ اگر تحریک چلانے والے کئی گروہوں میں تقسیم ہوئے تو باہمی انتشار پیدا ہوسکتا ہے یا مخالفین انتشار پیدا کرنے کی سازش میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اِسی طرح حکومت کی معزولی کے بعد کسی بھی فساد کی صورت سے بچا جا سکتا ہے۔ اِس طرح کا فساد افغانستان میں روس کی شکست کے بعد پیدا ہو گیا تھا جب کہ جہاد کرنے والے گروپس آپس میں دست و گریباں ہو گئے تھے۔

۱۹۸۷ء میں محمد خان جونیجو کے دورِ حکومت میں قاضی عبداللطیف صاحب اور مولانا سمیع الحق صاحب نے سینٹ میں شریعت بل پیش کیا تھا۔ اُس وقت ایک متحدہ شریعت محاذ بنا تھا جس نے حکومت کو الٹی میٹم دیا تھا کہ اگر ۲۷ رمضان المبارک تک شریعت بل منظور نہ کیا گیا تو حکومت کے خلاف تحریک چلائی جائے گی۔ تنظیمِ اسلامی کے بانی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے علماء کے ایک کنونشن میں تجویز پیش کی تھی کہ اگر ہم تحریک چلانے میں مخلص ہیں تو ہمیں ایک امیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے تحریک کو منظّم کرنا چاہیے۔ اُنہوں نے محفل میں موجود مولانا سمیع الحق صاحب کے والد مولانا عبدالحق صاحب (مرحوم) کا نام امیر کے طور پر تجویز کیا تھا، لیکن افسوس کہ ڈاکٹر صاحب کی اِس تجویز کو پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

(iv) تحریک کے شرکاء کو اپنے ذاتی عمل کی ایک ساکھ معاشرے میں قائم کرنی ہوگی۔ اِس کے لیے اُنہیں اپنی معیشت حرام سے اور معاشرت بے پردگی سے پاک کرنا ہوگی۔ محسوس ہو کہ وہ اپنی ذات اور اپنے گھر کی حد تک شریعت پر عمل پیرا ہیں۔ اِس سے عوام الناس کی حمایت بھی حاصل ہوگی اور اللہ کی مدد بھی شاملِ حال ہوگی۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی قربانی ہی قبول فرما کر نتیجہ خیز فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (المائدۃ)

''بے شک اللہ متقیوں کی قربانی قبول فرماتا ہے''۔

(v) تحریک میں شریک افراد کے تزکیۂ نفس پر خصوصی توجہ دینا ہوگی تاکہ اُن کا مقصد حکومت کو معزول کر کے کوئی دُنیوی مفادات حاصل کرنا نہ ہو بلکہ اُن کے پیشِ نظر صرف اور صرف اللہ کی رضا اور شہادت کی سعادت کا حصول ہو۔

(vi) منکرات کے خلاف احتجاج کے لیے آخری اقدام سے پہلے اُنہوں نے معاشرے میں تبلیغ کا حق ادا کیا ہو، نفاذِ شریعت اور اس کے لیے جدوجہد کی اہمیت واضح کر دی ہو اور حکومتی ذرائع ابلاغ سے منفی پروپیگنڈے کا توڑ کر دیا ہو۔

(vii) جب مناسب حد تک سرفروشوں کی تعداد فراہم ہو جائے تو اب حکومت کو چیلنج کیا جائے۔ اگر حکومت منکرات کے خاتمہ کے حوالے سے مطالبات تسلیم نہ کرے تو حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کی جائے۔ البتہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف اِس جدوجہد کی اجازت صرف اِس صورت میں ہے کہ عسکری تربیت اور ہتھیاروں کے اعتبار سے اِس قدر قوت فراہم کر دی جائے کہ کامیابی کا غالب امکان ہو۔ یہ نہ ہو کہ کم وسائل کے ساتھ حکومت سے ٹکرا کر جمع شدہ افرادی قوت ختم کرا دی جائے اور نظام ویسے کا ویسے ہی رہے، گویا اب تک کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا جائے۔ ہماری محرومی ہے کہ اِس زمانے میں حکومت کے ساتھ مسلح تصادم میں کامیابی کا امکان مشکل نظر آتا ہے۔ حکومت کے پاس ہمہ وقت تربیت یافتہ افواج موجود ہیں اور جس طرح کا اسلحہ حکومت کے پاس ہے وہ عوام کے پاس ہونا ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے بجائے پُرامن منظم احتجاج کرنا ہوگا۔ اہم شاہراہوں پر دھرنا دینا ہوگا اور اہم حکومتی اداروں کا گھیراؤ کرنا ہوگا۔ ایران، رومانیہ، کرغیزستان اور یوکرائن میں اِسی طریقہ سے

حکومتوں کو تبدیل کیا گیا۔

غازی برادران نے مذکورہ بالا شرائط کی تکمیل سے پہلے ہی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے جس کی شریعت میں اجازت نہ تھی اور اِس کا انجام انتہائی افسوسناک ہوا۔ خلوص و اخلاص ہو تو اللہ آخرت میں تو جزا عطا فرمائے گا لیکن دنیا میں نتائج صرف اُس وقت نکلیں گے جب نبی اکرم ﷺ کے طریقۂ کار کو اختیار کیا جائے۔ آپ ﷺ نے محض اکیس برس کے عرصہ میں دین غالب فرمایا لیکن پورے پندرہ برس برائی کے خلاف صرف زبان سے جہاد کیا اور قوت کا استعمال نہ کیا۔ مکی دور میں آپ ﷺ شرک اور دیگر منکرات کے خلاف دعوت دیتے رہے، دعوت قبول کرنے والوں کو منظّم کرتے رہے اور اُن کی تربیت و تزکیہ فرماتے رہے۔ اِس دوران آپ ﷺ اپنی افرادی قوت کو بڑھاتے رہے اور محفوظ رکھتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے عین بیت اللہ میں موجود بتوں کے خلاف بھی کوئی اقدام نہ کیا۔ اگر آپ ﷺ ایسا کرتے تو مشرکین ردّعمل میں اور زیادہ بت نصب کر دیتے اور آپ ﷺ کی برپا کردہ تحریک کو مکمل طور پر کچل دیتے۔ اِس سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ ہم بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتاب ''رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقۂ انقلاب'' کا مطالعہ کر کے غلبۂ دین کے صحیح طریق کار کی رہنمائی حاصل کریں۔

(۶) غازی برادران سے ایک دوسرا اختلاف اُن کے اندازوں کی غلطی پر تھا۔ اُنہوں نے اپنی تحریک کے حوالے سے عوام کے تعاون کو over-estimate کیا اور حکومت کی طرف سے ہونے والے ردّعمل کو under-estimate کیا۔ معاشرہ کے کئی طبقات کی طرف سے غازی برادران کو تائیدی خطوط، ٹیلی فون اور ای میل پیغامات موصول ہوئے جن میں ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرائی گئی۔ غازی برادران سمجھے کہ اگر حکومت نے ہمارے خلاف آپریشن کیا تو بڑی تعداد میں لوگ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور حکومت آپریشن نہیں کر سکے گی۔ حکومت کے حوالے سے بھی اُنہیں یہ اندیشہ نہ تھا کہ وہ اِس قدر سفاکی کا مظاہرہ کرے گی۔ اِس کا مظہر مدرسہ میں رکنے والی اُن طالبات کی گفتگو ہے جسے ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب نے روزنامہ جنگ میں ۱۳/ جولائی کو تحریر کیے جانے والے کالم میں نقل کیا ہے۔ اِن طالبات نے شاہد صاحب سے کہا کہ فوجی کٹر مسلمان ہوتے ہیں اور وہ ہرگز ہمیں نہیں ماریں گے۔ اِن اندازوں کی وجہ سے غازی برادران نے علماء کی بات نہ مانی اور منکرات کے خلاف ازخود کارروائی کا سلسلہ جاری رکھا۔

مذکورہ بالا دو اختلافات کے باوجود چونکہ غازی برادران کی نیت نیک تھی اور اُن کے مقاصد درست تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ آخرت میں عبدالرشید غازی صاحب اور اُن کے ساتھ جاں بحق ہونے والے ساتھیوں اور طالبات کو ضرور شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے گا۔

حکومت کا طرزِ عمل

حکومت کے طرزِ عمل کے حوالے سے دس نکات قابلِ غور ہیں :

(۱) پاکستان کی ہر حکومت نے ہی ملک میں نفاذِ اسلام کے حوالے سے مجرمانہ غفلت کا ارتکاب کیا۔ البتہ اِس حوالے سے موجودہ حکومت کے جرائم اِس قدر زیادہ ہیں کہ اِس پر ہر غیرت مند مسلمان کا خون کھول رہا ہے اور وہ حکومت کے خلاف کچھ کرنے کے لیے بے چین ہے۔ موجودہ حکومت کے جرائم کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ اُس خط میں آ گیا ہے جو جامعہ حفصہ کی طالبات نے وفاقی وزیر مذہبی اُمور اعجاز الحق صاحب کو لکھا تھا جس میں اُن سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ امامِ کعبہ شیخ عبداللہ بن السبیل مدظلہٗ تک اُن کے پچیس سوالات پہنچا دیں تاکہ اِن سوالات کے حوالے سے امام صاحب رہنمائی فرما سکیں۔ طالبات کا امام صاحب کے نام عریضہ اور اُس میں تحریر کردہ پچیس سوالات حسب ذیل ہیں :

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت گرامی عزت مآب جناب فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہدیۂ تسلیمات وصد آداب کے بعد آپ کی خدمت میں پاکستان کے بارے میں چند ضروری اور اہم مسائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ اُمید ہے قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر پاکستانی قوم پر احسان فرمائیں گے۔

(۱) پاکستان چھ لاکھ انسانوں کی قربانیوں سے اسلام کے لیے بنا تھا۔ لیکن آج تک اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے حوالے سے عملاً پہلو تہی کی گئی۔ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے نفاذِ اسلام سے اِس طرح روگردانی کرنا اور ایسی حکومتوں کا معاون بننا کیسا ہے؟

(۲) پاکستان کی شرعی عدالت نے سود کے خلاف فیصلہ دیا۔ موجودہ حکومت نے اِس فیصلے

کو کالعدم کیا اور اِس کے بعد ملک میں سودی نظام کو مزید ترویج دی جارہی ہے۔ موجودہ حکومت کا سود کے بارے میں شرعی عدالت کے فیصلے کو کالعدم کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) ایک اسلامی ملک کا شریعت کی رُو سے یہ فرض بنتا ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں' مشکل وقت میں اُن کا ساتھ دے' خصوصاً جب وہ پڑوس میں بستے ہوں' اُن کے ساتھ سفارتی تعلقات بھی چل رہے ہوں اور آپس میں عوام کے اسلامی اور خونی دونوں طرح کے رشتے موجود ہوں۔ کفار کے دھمکانے پر اُس پڑوسی اسلامی ملک پر ایک کافر ملک کو حملہ کی اجازت دینا اور اسلامی ملک کی زمین کو دوسرے اسلامی ملک پر کفار کے حملوں کے لیے پیش کرنا' اِس طرح عملی طور پر لاکھوں معصوم مسلمانوں کے قتل عام میں شریک ہونا شرعاً کیسا ہے؟

(۴) اسلام کے نام پر بنائے گئے ملک میں ساٹھ سال سے عدالتوں میں انگریزی قوانین چلائے جارہے ہیں اور لوگوں کو انصاف نہیں مل رہا۔ ایسی صورت حال میں حکومت سے مطالبہ کرنا کہ عدالتوں میں قرآن وسنت کا نفاذ کیا جائے' کیا یہ مطالبہ درست نہیں؟ اور حکومتوں کا عدالتوں میں قرآن وسنت کے نفاذ سے پہلوتہی کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۵) حکومت نے روشن خیالی کے نام پر فحاشی وعریانی پھیلانے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے' ریڈیو' ٹیلی ویژن پر فحاشی کے ایسے عریاں مناظر دکھائے جارہے ہیں جسے کوئی شخص اپنی بہن اور بیٹی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتا۔ پورے ملک میں ویڈیو سینٹرز ہر شہر اور بستی میں کھل چکے ہیں' جہاں انڈیا کی گندی سے گندی فلمیں نوجوان نسل کو مہیا کی جارہی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کو عریاں تصاویر شائع کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ ہورڈنگز پر بے ہودہ تصاویر نمایاں کی جارہی ہیں۔ اور جو اِن سب منکرات کے خلاف اٹھنے کی کوشش کرے اُسے طاقت سے روک دیا جاتا ہے۔ ایسی حکومت اور اُن کے وزراء اور اُن کے معاونین کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۶) پاکستان میں سرکاری سرپرستی میں میراتھن ریس منعقد کی جاتی ہے جس میں خواتین اور مرد نیکریں پہن کر سڑکوں پر دوڑتے ہیں۔ اِس فحش عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۷) ایک مسلمان ملک کے خلاف دوسرے مسلمان ملک کا ایک کافر ملک کا اتحادی بن جانا شرعاً کیسا ہے؟ ڈالروں کی خاطر حکومت کا اپنے مسلمان بھائیوں کو پکڑ پکڑ کر کافروں کے حوالے کرنا' جب کہ اِس بات کا بھی یقین ہو کہ وہ اُن کو اذیتیں دیں گے' کیا شرعاً درست ہے؟ ایسا کرنے والوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

(۸) اسلام آباد میں جہاں بڑے بڑے اسکولوں، کالجوں، مشنری اسکولز اور یونیورسٹیوں کے لیے ہزاروں ایکڑ زمینیں مہیا کی گئی ہیں، اسی اسلام آباد کے اندر مساجد اور مدارس کے ساتھ مخالفانہ رویہ روا رکھا جاتا ہے اور اُن کے لیے زمین حاصل کرنا انتہائی مشکل بنا دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں جہاں کہیں علماء اپنا اسلامی فریضہ سمجھ کر کوئی مسجد اور مدرسہ بناتے ہیں تو حکومت کے کارندے اور وزراء ''غیر قانونی، غیر قانونی'' کا واویلا مچا کر مساجد اور مدارس پر چڑھ دوڑتے ہیں اور مساجد قرآنِ مجید سمیت شہید کر دی جاتی ہیں۔ حکومت کا مشنری اداروں کے ساتھ تعاون اور مساجد اور مدارس کے ساتھ مخالفانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے اُن کو زمینیں فراہم کرنے میں رکاوٹیں ڈالنا شرعاً کیسا ہے؟ ایسی حکومت اور ایسے لوگوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۹) کیا مساجد اور مدارس بنانا حکومت کی ذمہ داری نہیں؟ اگر ہے اور اِس کے باوجود حکومت اپنی اِس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے تو اِس حکومت کا کیا حکم ہے اور وزارتِ مذہبی اُمور کا اِس فریضہ سے پہلوتہی کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۱۰) اگر حکومت اِس معاملے میں مجرمانہ غفلت برت رہی ہو، بلکہ مساجد اور مدارس کے بنانے میں رکاوٹیں کھڑی کر رہی ہو تو اِس صورت میں ایسی حکومتی زمین پر جہاں مدرسہ اور مسجد کی اشد ضرورت ہو، اگر وہاں علماء اور اہل علاقہ مل کر اپنا اسلامی فریضہ سمجھتے ہوئے ازخود مسجد اور مدرسہ قائم کر دیں تو کیا اُن کا یہ فعل درست ہے یا غلط؟

(۱۱) موجودہ حکومت کا غیروں کی خوشنودی کے لیے وانا اور وزیرستان میں اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر اپنی ہی فوج کے ذریعے یلغار کروانا، معصوم بچوں اور عورتوں پر بمباری کرنا، مسلمانوں کا خون بہانا، جب حالات خراب ہوں تو صلح کر لینا اور پھر دھوکا دے کر مسلمانوں کا خون بہانا یا خون بہانے والوں کی مدد کرنا شرعاً کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں ایسا کرنے والوں کے لیے کیا حکم ہے؟

(۱۲) پاکستان میں موبائل فون کمپنیوں اور انٹرنیٹ کو اِس بات کی کھلی اجازت دینا کہ وہ فرینڈ شپ کے نام پر مسلمانوں کے بالغ بچے بچیوں کو آپس میں رابطے کی سہولت مہیا کریں جس کے نتیجے میں نوجوان نسل تباہ ہو رہی ہے۔ حکومتی سرپرستی میں ایسا کرنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور جو وزراء اِن چیزوں کو دیکھتے ہوئے حکومت کی پالیسیوں پر خاموش ہیں تو اُن کا خاموش رہنا شرعاً کیسا ہے؟

(۱۳) اِس وقت پورے ملک میں حکومتی سرپرستی میں شراب، جوئے اور زنا کے سینکڑوں اڈے قائم ہیں اور حکومت کے بااثر لوگ اِن کی سرپرستی کرتے ہیں۔ اِن اعمال کے ذریعے ملک کی نوجوان نسل کو تباہ کیا جارہا ہے۔ ایسی حکومت کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ اور جو مذہبی رہنما صرف گرفتاری یا شہادت کے خوف سے اِن منکرات کے خلاف مؤثر آواز نہ اٹھائیں اُن کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

(۱۴) پاکستان میں ہر سال بسنت کا ہندوانہ تہوار سرکاری سرپرستی میں منایا جارہا ہے۔ اِس تہوار کے موقع پر پتنگ کی دھاتی ڈور سے کئی افراد کی گردن کٹ جاتی ہے اور وہ ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اِن ہلاک ہونے والوں میں اکثریت معصوم بچوں اور بچیوں کی ہوتی ہے۔ حکومت کا اِس طرح کا تہوار منانا اور سربراہِ مملکت کا اِس میں بڑے اہتمام سے شریک ہونا کیسا ہے؟

(۱۵) انٹرنیٹ پر بعض سائیٹس پر مرد وعورت کی مادرزاد برہنہ تصاویر اور فحش مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ پی ٹی اے کا ایسی سائٹس کو بند نہ کرنا جبکہ اسلامی سائٹس کو بلاجواز بند کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۱۶) جہاد ایک عظیم اسلامی فریضہ ہے جس کے بارے میں سینکڑوں آیات اور ہزاروں احادیث موجود ہیں۔ موجودہ حکومت کا جہاد کو دہشت گردی سے تعبیر کرنا اور نصاب سے جہاد کی آیات کو نکالنے کی کوششیں کرنا اور وزارتِ مذہبی اُمور جیسی وزارت کا اِس ناپاک جسارت پر سکوت اختیار کرنا شرعاً کیسا ہے؟ مذہبی اُمور کی وزارت پر براجمان ایسے وزیر کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

(۱۷) جامعہ حفصہ کی طالبات کا موجودہ حکومت سے اسلامی نظام قائم کرنے کی اپیل کرنا، عدالتوں میں قرآن وسنت کے نفاذ کا مطالبہ کرنا اور گری ہوئی قدیمی مساجد کی دوبارہ تعمیر کے لیے آواز اٹھانا شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا علماء کرام کو اِس سلسلہ میں مؤثر انداز سے اِن طالبات کا ساتھ دینا چاہیے یا نہیں؟

(۱۸) جامعہ حفصہ کے اِس مطالبے پر حکومت کی طرف سے سخت سے سخت اقدام کی دھمکی دینا اور وزیر مذہبی اُمور کی طرف سے ٹرپل ون بریگیڈ کے ذریعہ مسلمان بچیوں پر فوجی کارروائی کا کہنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ ایسے شقی القلب وزیر مذہبی اُمور کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے جو اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والی معصوم بچیوں کے خلاف

حکومت کو کارروائی کے لیے اُکساتا ہے؟

(۱۹) حکومت کی ایک خاتون وزیر کا پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ لگانے کے بعد ایک غیر مسلم نامحرم مرد کے ساتھ بغلگیر ہونا' اِس حالت میں تصویریں بنوانا اور حکومت کا اِس بارے میں خاموشی اختیار کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور ایسے مذہبی رہنماؤں کے بارے میں کیا حکم ہے جو جامعہ حفصہ کی طالبات کی طرف سے ایک سرکاری لائبریری کو مساجد کے تقدس اور اسلام کے نفاذ کے لیے احتجاجاً یرغمال بنانے پر فوراً پریشان ہو جائیں اور اِس اقدام کے غیر شرعی ہونے کا فتویٰ صادر کر دیں جبکہ یہی لوگ حکومت کی تمام برائیوں اور منکرات پر خاموشی اختیار کر لیں؟

(۲۰) پاکستان کے درجنوں بے گناہ شہریوں کو سرکاری خفیہ اداروں کی طرف سے ہر قانون و ضابطے سے ماوراء ہو کر قید و بند میں مبتلا رکھنا' جبکہ پاکستانی عدالتیں بار بار اِن افراد کی رہائی اور بازیابی کا حکم دے چکی ہیں' لیکن اِس کے باوجود حکومت اور اُس کی ایجنسیاں اِن بے گناہ افراد کو رہا نہیں کر رہیں۔ آیا اِن بے گناہ افراد کے ساتھ ایسا مجرمانہ سلوک روا رکھنا شریعت کے مطابق ٹھیک ہے؟ کیا شریعت کی رُو سے ایسا کرنا صریح ظلم و ستم نہیں؟ ایسے مذہبی رہنماؤں کا کیا حکم ہے جو اِن مظلوموں کو دہشت گرد کہہ کر اُن کے ساتھ تعاون سے گریز کریں؟

(۲۱) حکومتی ایجنسیوں کا پاکستانی مسلمان بہنوں کو اغواء کرنا' مردوں کا اُن بہنوں پر جسمانی تشدد کرنا اور اپنی اِن بہنوں کو کافر ملک کی ایجنسی ایف بی آئی کو دینا کہ وہ اُن سے تفتیش کریں' شرعاً کیسا ہے؟

(۲۲) عرب مجاہدین جنہوں نے روس کے خلاف افغانستان میں پاکستان کی بقاء کی جنگ لڑی اُن کی بیٹیوں اور بہنوں کو پکڑ کر کفار کے حوالے کرنا شرعاً کیسا ہے؟ ایسی حکومت کی شرعی حیثیت کا تعین فرمائیں!

(۲۳) حکومت کے ایک مسلمان پڑوسی ملک کے سفیر کو تمام سفارتی آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے توہین آمیز انداز سے گرفتار کرنے اور کفار کے حوالے کرنے کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

(۲۴) مذکورہ تمام اُمور کے واضح ہوتے ہوئے موجودہ حکومت کے ساتھ اِس کے ظلم و ستم میں پولیس اور فوج سے تعاون کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲۵) آیا شریعت کی روشنی میں ایسے جرائم کا ارتکاب کرنے والی حکومت کو معزول کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور کیا علماءِ کرام' مذہبی رہنماؤں' طلبہ اور عوام کا فرض نہیں بنتا کہ وہ موجودہ نظامِ حکومت ختم کر کے اسلامی حکومت قائم کرنے کی بھرپور کوشش کریں؟

محترم ومکرم عزت مآب جناب فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ تعالیٰ!

آنجناب سے انتہائی عاجزانہ اور مؤدبانہ عرض ہے کہ ہم جامعہ حفصہ کی بچیوں پر رحم کرتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں مدلّل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

آپ کی اسلامی بیٹیاں
اسٹوڈنٹ ایکشن کمیٹی
جامعہ سیدہ حفصہ اسلام آباد
مؤرخہ ۲رمئی ۲۰۰۷ء

(۲) حکومت نے معاملے کو سلجھانے کے حوالے سے غیر سنجیدگی' نااہلی اور وعدہ خلافیوں کا ارتکاب کیا۔ حامد میر صاحب نے روزنامہ جنگ میں اپنے ایک کالم میں تحریر کیا ہے کہ ایک موقع پر مساجد کے حوالے سے عبدالرشید غازی صاحب اور اعجاز الحق صاحب میں معاملہ طے ہوگیا تھا لیکن اُسی روز حکومت کی طرف سے لال مسجد کو شہید کرنے کا نوٹس جاری کر دیا گیا جس پر اعجاز الحق صاحب نے کہا کہ کچھ عناصر نہیں چاہتے کہ اس معاملہ میں مفاہمت ہو۔

(۳) حکومت نے اِس مسئلہ کو حل کرنے میں جان بوجھ کر تأخیر کی۔ اگر حکومت قانون کی پہلی خلاف ورزی پر ہی مدرسہ کے کچھ طلبہ کو گرفتار کر لیتی تو انہیں قانون کی مزید خلاف ورزیوں سے روکا جاسکتا تھا۔ محسوس ہوتا ہے کہ حکومت نے اِس حوالے سے مدرسہ کے طلبہ وطالبات کو جان بوجھ کر ڈھیل دی۔ مساج سینٹر جہاں سے چینی خواتین کو لایا گیا' وہ مدرسہ سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ اتنے فاصلہ سے طلبہ وطالبات چینی خواتین کو لے کر آئیں اور حکومت اس عمل کو نہ روک سکے؟ حکومت نے تأخیر اِس لیے کی تاکہ:

(i) بعض دیگر معاملات مثلاً چیف جسٹس صاحب کے ریفرنس یا اپوزیشن کی مخالفانہ تحریک پر سے توجہات کو ہٹایا جائے۔

(ii) معاملہ کو بڑھانے کے لیے' تاکہ پھنسی پھوڑا بن جائے اور مغرب بالخصوص امریکہ کو یہ ''انتہا پسندی'' ایک بڑا خطرہ (Threat) محسوس ہو۔

(iii) آپریشن کے لیے ایسے مناسب موقع کا انتظار کیا جائے جس سے حکومت زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکے۔

(٤) حکومت نے اپنے حساب کتاب سے انتہائی مناسب موقع پر آپریشن کا فیصلہ کیا۔ آپریشن ایسے وقت میں کیا گیا جب کہ سپریم کورٹ چیف جسٹس ریفرنس کے حوالے سے فیصلہ دینے والی تھی اور لندن میں حزب اختلاف کی کل جماعتی کانفرنس (APC) منعقد ہو رہی تھی۔ حکومت چاہتی تھی کہ یہ دونوں معاملات پس منظر میں چلے جائیں۔ پھر مقصود یہ بھی تھا کہ کوئی ایسا کارنامہ انجام دیا جائے کہ مزید اقتدار کے لیے امریکہ کی آشیر باد حاصل ہو جائے۔ آئندہ چند ماہ میں صدر مشرف صاحب کو وردی اور آئندہ کی صدارت کے حوالے سے فیصلے کرنے ہیں۔ چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس نے اندرونِ ملک صدر صاحب کی مقبولیت کو انتہائی کم کر دیا ہے۔ اُنہیں مزید اقتدار کے لیے بیرونی مدد کا سہارا چاہیے۔ لہٰذا اُنہوں نے خونی آپریشن کا فیصلہ کیا تا کہ اقتدار جاری رکھنے کے لیے امریکہ کی طرف سے توثیق (approval) حاصل ہو جائے۔

(٥) حکومت نے مذاکرات میں سخت رویہ اپنایا اور آخری وقت میں طے شدہ معاہدہ کا ڈرافٹ صدر پرویز مشرف نے تبدیل کر دیا۔ گویا حکومت نے ملٹری اقدام طے کر رکھا تھا۔ صدر پرویز مشرف نے ہائی جیکنگ کے مقدمہ میں نواز شریف صاحب کے ساتھ لچک دکھائی اور اُنہیں سعودی عرب بھیج دیا۔ آصف زرداری صاحب کو رہا کر کے بیرونِ پاکستان جانے کا راستہ دیا۔ عشرت العباد صاحب پر قائم مقدمات ختم کر کے گورنر بنا دیا۔ فیصل صالح حیات صاحب پر نیب کے الزامات کو نظر انداز کر کے وزیر بنا دیا۔ بھارت کے ساتھ کشمیر کے مسئلہ پر توہین آمیز لچک کا مظاہرہ کر کے کئی options پیش کیے۔ وہ یہاں بھی مسجد و مدرسہ میں موجود لوگوں کی جانوں کے تحفظ کے لیے لچک دکھا سکتے تھے۔ ایک بار عبدالرشید صاحب مسجد سے باہر آ جاتے تو پھر اُن کے خلاف قانونی کارروائی کی جا سکتی تھی۔ بھارت کا ایک طیارہ اغوا کر کے افغانستان لے جایا گیا تھا۔ بھارتی حکومت نے ہائی جیکرز کے مطالبہ پر لچک دکھائی اور طیارے میں سوار اپنے ۱۲۵ شہریوں کی جان بچانے کے لیے مولانا مسعود اظہر سمیت کئی مجاہدین کو رہا کر دیا تھا۔

(٦) حکومت صرف ناکہ بندی کے ذریعہ بھی مسجد و مدرسہ میں موجود افراد کو باہر نکلنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ گیس، بجلی، پانی اور خوراک کی فراہمی روک کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اعصاب شکن گیس (Nerve gas) کے استعمال سے بھی مسجد و مدرسہ میں موجود افراد کے اعصاب شل کر کے اُنہیں گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ ۱۹۷۹ء میں بہت سے افراد اسلحہ کے ساتھ بیت

اللہ میں داخل ہو گئے تھے۔ سعودی حکومت نے اعصاب شکن گیس کے ذریعہ ہی اُن پر قابو پا کر انہیں گرفتار کیا تھا۔ بعد ازاں اُن پر مقدمات چلائے گئے اور اُن میں سے ۶۳ افراد کو سزائے موت دی گئی جبکہ بقیہ کو رہا کر دیا گیا۔ عبدالرشید غازی صاحب نے بھی چوہدری شجاعت حسین صاحب سے کہا تھا کہ حکومت مجھے ختم کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے ورنہ وہ ہمیں مدرسہ سے نکالنے کے لیے اعصاب شکن گیس بھی استعمال کر سکتی ہے۔ عبدالستار ایدھی صاحب نے بھی کہا کہ ''لال مسجد سانحہ میں بے دریغ طاقت کا استعمال کیا گیا۔ اگر یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا جاتا تو بغیر ایک خون کا قطرہ بہائے یہ حل کر سکتے تھے''۔ لگتا ہے کہ نادیدہ قوتیں تصفیے کی تمام کوششیں ناکام بنا رہی تھیں۔

(۷) حکومت نے آپریشن کے دوران طاقت کا بے رحمانہ استعمال کیا۔ فائرنگ' بم دھماکے' گولہ باری' شیلنگ اور گن شپ ہیلی کاپٹرز کا استعمال کیا گیا۔ کیا غازی برادران کے جرائم اتنے بڑے تھے کہ ایسی شدید سزا دی جاتی؟ اگر اُنہوں نے قانون توڑا تھا تو کیا یہ جرم صرف اُنہوں نے ہی کیا تھا؟ کیا ہر فوجی آمر ملک کا قانون توڑ کر ہی اقتدار پر قابض نہیں ہوا؟ عبدالرشید غازی صاحب نے بی بی سی کے نمائندے کو ایک موقع پر انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ہم پر الزام ہے کہ ہم نے لاٹھیوں کے زور پر ناجائز جگہ پر قبضہ کر کے مدرسہ بنایا' جبکہ ایک شخص نے بندوق کے زور پر پورے ملک پر قبضہ کر رکھا ہے۔ بتاؤ زیادہ بڑا جرم کس کا ہے؟ اگر غازی برادران کے اقدامات سے حکومت کی رٹ چیلنج ہوئی تو حکومتی رٹ امریکہ آئے دن توڑتا رہتا ہے اور ہمارے علاقوں میں آ کر بمباری کرتا رہتا ہے۔ کیا ''سب سے پہلے پاکستان'' کا یہی تقاضا ہے کہ امریکہ کی خوشنودی کے لیے بلوچستان' وانا' وزیرستان اور لال مسجد میں آپریشن اور لاہور میں بسنت کے تہوار کے ذریعہ پاکستانیوں کا خون بہایا جائے؟

(۸) آپریشن کا مقصد صرف اور صرف امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنا تھا تاکہ امریکہ کو باور کرایا جائے کہ صدر مشرف ہی انتہا پسندوں کے خلاف سخت سے سخت اقدامات کر سکتا ہے اور اُس کا اقتدار ہی امریکہ کے مقاصد پورے کر سکتا ہے۔

(۹) صدر پرویز مشرف بظاہر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ برطانوی وزیرِ اعظم گورڈن براؤن' بھارتی وزیرِ اعظم منموہن سنگھ' چین کی حکومت اور امریکہ کی طرف سے آپریشن کی تحسین کی گئی اور صدر پرویز مشرف کو خوب شاباش دی گئی۔

(۱۰) حقیقت میں حکومت بری طرح سے ناکام ہوئی۔ حکومت نے اِس قدر جھوٹ بولے کہ اپنے لیے انتہائی رسوائی کا سامان کر لیا۔ کہا گیا مسجد میں اسلحہ کے بڑے ذخائر ہیں جن

میں مشین گنیں، راکٹ لانچر، بارودی سرنگیں، دستی بم، خودکش حملوں کے جیکٹ شامل ہیں۔ اگر یہ تمام ہتھیار مسجد میں پہلے سے موجود تھے تو اُنہیں استعمال کیوں نہیں کیا گیا؟ یہ معاملہ بالکل اسی طرح ہے جیسے امریکہ نے عراق پر وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار رکھنے کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ کہا گیا کہ مدرسہ میں زیرِ زمین بنکرز اور سرنگیں ہیں۔ بعد میں یہ سب جھوٹ ثابت ہوا۔ کہا گیا کہ مسجد کے میناروں کو فائرنگ کے لیے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کے تحت بنایا گیا تھا، حالانکہ مسجد کے مینار بالکل ٹھوس (solid) ہیں، جن پر اوپر چڑھنے کے لیے کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ کہا گیا کہ مسجد میں کئی غیر ملکی اور خاص طور پر ابوذر اور ابومنصور جیسے شدت پسند موجود ہیں۔ بعد میں کیا ہوا؟ کیا اِن غیر ملکیوں اور شدت پسندوں کو زمین کھا گئی؟ پاک فوج کے ترجمان یعنی آئی ایس پی آر وحیدارشد صاحب نے آپریشن کے بعد تسلیم کیا کہ مدرسہ میں نہ کوئی غیر ملکی پایا گیا، نہ خودکش حملہ ہوا اور نہ ہی کوئی بارودی سرنگ ملی۔

مدرسہ میں کیا تھا؟ آپریشن کے بعد دورہ کرنے والے ایک صحافی کی زبانی سنیے:

''مدرسہ میں کوئی سرنگ نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا تہہ خانہ ہے جسے بکتر بند کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔ دیواروں پر خون کے چھینٹے ہیں جن کو مہارت سے مٹادیا گیا ہے۔ مدرسہ کی بیسمنٹ میں بچیوں کے کلاس روم اور رہائشی کمرے ہیں جن کی دیواروں پر بجلی کم استعمال کریں، باہر جانے سے قبل لائٹ اور پنکھا بند کریں، پانی ضائع نہ کریں، کی معصوم ہدایات لکھی ہیں۔ غربت کی ایک تصویر ہے جو مدرسہ کے اندر موجود ہے۔ بچیوں کے پرانے کپڑے، پھٹے پرانے بستر، بوسیدہ جوتیاں، ہیئر برش، ٹوتھ برش، کتابیں، دینی کتب، اسکول بیگ، جیومیٹری بکس، ربر، پنسلیں، کاپیاں، اُن پر بچیوں کی معصوم تحریریں، کاغذوں پر بنائے ہوئے کارٹون، کسی ظالم کا دل دہلا دینے کے لیے کافی ہیں۔ ایک کمرہ میں سلائی مشین پڑی تھی اور اِس کے ساتھ اَن سلے کپڑے پڑے ہیں۔ کھانے کے ٹفن، سوکھی روٹیاں، دیگچی میں سالن، ٹوٹی چنگیریاں، سلور کے پرانے برتن، شاید کوئی نہیں بھلاسکتا''۔

جھوٹ بولا گیا کہ مسجد و مدرسہ میں صرف جنگجو ہلاک ہوئے اور تمام طالبات کو بچا لیا گیا۔ ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب نے روزنامہ جنگ کراچی میں مؤرخہ ۱۳ جولائی کو شائع ہونے والے اپنے کالم میں اصل حقیقت کو بے نقاب کردیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جنوری ۲۰۰۷ء میں جب جامعہ حفصہ کی طالبات نے چلڈرن لائبریری پر قبضہ کیا تو میں اصل صورت حال جاننے

کے لیے مدرسہ گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ طالبات کو کسی مرد سے براہِ راست گفتگو کی اجازت دی گئی تا کہ میڈیا کے ذریعہ اصل صورت حال پیش کی جا سکے۔ طالبات مجھ سے بحث کر رہی تھیں اور میرے ہر اعتراض کے جواب میں کوئی آیت یا حدیث بیان کر رہی تھیں۔ ایک سات آٹھ سال کی بچی اسماء (فرضی نام) ہر بات پر ہنس رہی تھی۔ ایک موقع پر اس نے مجھے انکل کہا تو اس کی بڑی بہن یعنی اُس کی باجی نے اُسے ٹوک کر کہا کہ بھائی جان کہو۔ اُس بچی نے مجھ سے آٹو گراف بھی لیا اور موبائل نمبر بھی۔ اب موبائل پر اُس کے SMS آتے تھے جن میں کوئی آیت یا حدیث ہوتی تھی۔ اب آپریشن کے دوران کیا واقعہ ہوا شاہد صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

''۸ جولائی کی شب اچانک ایک مختصر ایس ایم ایس موصول ہوا ''بھائی جان! کارڈ ختم ہو گیا ہے۔۔ پلیز فون کریں''۔ میں نے اگلے لمحے رابطہ کیا تو میری چھوٹی۔۔ پیاری اسماء زار و قطار رو رہی تھی۔ ''بھائی جان' ڈر لگ رہا ہے! گولیاں چل رہی ہیں! میں مر جاؤں گی!'' میں نے چلا کر جواب دیا ''اپنی بہن سے بات کراؤ۔۔'' بہن نے فون سنبھال لیا ''آپ دونوں فوراً باہر نکلیں۔۔ معاملہ خراب ہو رہا ہے۔۔ کہیں تو میں کسی سے بات کرتا ہوں کہ آپ دونوں کو حفاظت سے باہر نکالیں۔۔'' دھماکوں کی آوازیں گونج رہی تھیں!! مجھے احساس ہوا کہ بڑی بہن نے اسماء کو آغوش میں چھپا رکھا ہے لیکن چھوٹی پھر بھی بلک رہی ہے۔۔ رو رہی ہے۔۔!! ''بھائی وہ ہمیں کیوں ماریں گے؟؟ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں!! وہ بھی کلمہ گو ہیں!! اور پھر ہمارا جرم ہی کیا ہے؟ آپ تو جانتے ہیں بھائی! ہم نے تو صرف باجی شمیم کو سمجھا کر چھوڑ دیا تھا۔ چینی بہنوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ بھائی! یہ سب اُن کی سیاست ہے۔۔ ہمیں ڈرا رہے ہیں''۔ بہن پُر اعتماد لہجے میں بولی۔۔!! ''دیکھیں! حالات برے ہیں!! میں بتا رہا ہوں۔۔ آپ فوراً نکل جائیں۔۔ خدا کے لیے!!'' مجھے احساس ہوا کہ میں گویا۔۔ اُنہیں حکم دے رہا ہوں!! ''بھائی آپ یونہی گھبرا رہے ہیں!! غازی صاحب بتا رہے تھے کہ یہ ہمیں جھکانا چاہ رہے ہیں۔۔ باہر کچھ بھائی پہرہ بھی دے رہے ہیں! کچھ بھی نہیں ہوگا' آپ دیکھئے گا۔۔ اب فوج آ گئی ہے۔ نا!! یہ بدمعاش پولیس والوں کو یہاں سے بھگا دے گی!! آپ کو پتا ہے۔۔ فوجی تو کٹر مسلمان ہوتے ہیں۔۔ وہ ہمیں کیوں ماریں گے۔۔ ہم کوئی مجرم ہیں۔۔ کوئی ہندوستانی ہیں۔۔ کافر ہیں۔۔ کیوں ماریں گے وہ ہمیں۔۔!!'' بہن کا لہجہ پُر اعتماد تھا۔۔ اور وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔ ''ڈاکٹر بھائی

مجھے تو ہنسی آ رہی ہے کہ آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں!! آپ کو تو پتا ہے کہ یہ سلسلہ اِسی طرح چلتا رہتا ہے! یہ اسماء تو یونہی زیادہ ڈر گئی ہے۔ اور ہاں آپ کہیں ہم بہنوں کا نام نہ لیجیے گا۔ ایجنسی والے بٹ گرام میں ہمارے والدؑ والدہ اور بھائیوں کو پکڑ لیں گے! سب ٹھیک ہو جائے گا بھائی! وہ ہمیں کبھی نہیں ماریں گے!''

میں نے دونوں کو دُعاؤں کے ساتھ فون بند کیا اور نمبر محفوظ کر لیا۔ اگلے روز کئی گھنٹوں سے مذاکرات کی خبریں آ رہی تھیں اور میں حقیقتاً گزرے ایک ہفتے سے جاری اِس قصے کے خاتمہ کی توقع کرتا' ٹی وی پر مذاکرات کو حتمی مراحل میں داخل ہوتا دیکھ رہا تھا کہ احساس ہونے لگا کہ کہیں کوئی گڑ بڑ ہے۔ میں نے چند شخصیات کو اسلام آباد فون کر کے اپنے خدشے کا اظہار کیا کہ معاملہ بگڑنے کو ہے تو جواباً اِن خدشات کو بلا جواز قرار دیا گیا لیکن وہ دُرست ثابت ہوئے اور علماء کے وفد کی ناکامی اور چوہدری شجاعت کی پریس کانفرنس ختم ہوتے ہی وہ عسکری کارروائی شروع ہوگئی جس کی قوت کے بارے میں موقع پر موجود ایک سرکاری افسر کا بیان تھا'' لگتا ہے پوری بھارتی فوج نے چھوٹے ملک بھوٹان پر چڑھائی کر دی ہے'' ۔ فائرنگ۔۔ دھماکے۔۔ گولہ باری۔۔ شیلنگ۔۔ جاسوس طیارے۔۔ گن شپ ہیلی کاپٹرز۔۔ خدا جانے کیا کچھ!! اور پھر باقاعدہ آپریشن شروع کر دینے کا اعلان۔ اِس دوران عبدالرشید غازی سے بھی ایک بار ٹی وی پر گفتگو کا موقع ملا۔۔ اور پھر پتا چلا کہ اُن کی والدہ آخری سانسیں لے رہی ہیں!! اور تبھی صبح صادق فون پر ایس ایم ایس موصول ہوا'' پلیز کال'' یہ اسماء تھی!!

میں نے فوراً رابطہ کیا تو دوسری طرف چیخیں۔۔ شور شرابہ۔۔ لڑکیوں کی آوازیں ''ہیلو۔۔ اسماء بیٹی! ہیلو' خدا جانے وہاں کیا ہو رہا تھا'' ہیلو بیٹی آواز سن رہی ہو؟'' میں پوری قوت سے چیخ رہا تھا۔'' بات کرو کیا ہوا ہے؟''

وہ جملہ۔۔ آخری سانسوں تک میری سماعتوں میں زندہ رہے گا! ایک بلک بلک کر روتی ہوئی بچی کی رُک رُک کر آتی آواز'' باجی مر گئی ہے۔۔ مر گئی ہے باجی۔۔'' اور فون منقطع ہو گیا!! اسٹوڈیوز سے کال آ رہی تھی کہ میں صورت حال پر تبصرہ کروں لیکن میں بار بار منقطع کال ملانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا!! کچھ کہنے یا سننے کی ہمت نہ تھی۔ کسی کمانڈو جیسی طاقت' اعجاز الحق جیسی دیانت اور طارق عظیم جیسی صداقت نہ ہونے کے باعث مجھے ٹی وی پر گونجتے ہر دھماکے میں بہت سی چیخیں۔۔ فائرنگ کے پیچھے بہت سی آہیں اور گولہ باری کے شور میں

''بھائی جان! یہ ہمیں کیوں ماریں گے؟'' کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے کمروں میں دھواں بھر گیا ہوگا۔ اور باہر فائرنگ ہو رہی ہوگی۔ بہت سی بچیاں تھیں۔۔ فون نہیں مل رہا تھا۔۔ پھر عمارت میں آگ لگ گئی۔ اور میں اسماء کو اُس کی لاتعداد دُعاؤں کے جواب میں صرف ایک الوداعی دُعا دینا چاہتا تھا۔۔ ناکام رہا۔

فجر کی اذانیں گونجنے لگیں تو وضو کرتے ہوئے میں نے تصور کیا کہ وہ سیاہ لباس میں ملبوس طالبات مجھ سے خواہ مخواہ بحث کر رہی تھیں۔۔ اب سفید کفن میں مزید خوبصورت لگتی ہوں گی! جیسے پریاں۔

فحبہ خانوں کے سرپرستوں کو نوید ہو کہ اب اسلام آباد پُرسکون تو ہو چکا ہے لیکن شاید اُداس بھی! اور یہ سوال بہت سوں کی طرح ساری عمر میرا بھی پیچھا کرے گا کہ وہ کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟''

(دونوں مرحوم بچیوں سے وعدے کے مطابق اُن کے فرضی نام تحریر کر رہا ہوں)

اِس کالم سے معلوم ہوا کہ حکومت کے ردّعمل کو لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے متعلقین نے under-estimate کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عبدالرشید غازی صاحب نے طالبات کو یرغمال نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود ہی مدرسہ سے باہر آنا نہیں چاہتی تھیں۔

سانحۂ لال مسجد کے افسوس ناک نتائج

(i) حکومت نے لال مسجد کے معاملہ کو سنگین بنا کر امریکہ کو پاکستانی علاقوں میں آپریشن کرنے کا جواز فراہم کر دیا۔ امریکہ کہہ رہا ہے کہ پاکستان میں طالبان اور القاعدہ پھر سے منظّم ہو چکے ہیں اور اب امریکہ براہِ راست اُن کے خلاف کارروائی کرے گا۔

(ii) پاکستان میں امریکہ کے مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔ امریکہ پاکستان پر تسلط حاصل کرنے کے لیے اپنی افواج یہاں داخل نہیں کرنا چاہتا' کیونکہ بقول ٹونی فرینکس امریکہ کو یہاں عراق اور افغانستان سے بھی زیادہ جانی نقصان کا اندیشہ ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ پاکستان میں فوج اور عوام کے درمیان نفرت اور باہمی جنگ شروع ہو جائے۔ پاک فوج پر ہونے والے خودکش حملے امریکہ کے مقاصد کو پورا کر رہے ہیں۔

(iii) ملک میں سیکولر اور مذہبی قوتوں کے درمیان تفریق اور بڑھے گی۔ بے نظیر بھٹو اور الطاف حسین نے حکومتی اقدام کی حمایت میں فوری بیان دیا۔ ردّعمل میں اسلام آباد میں

پاکستان پیپلز پارٹی کے کیمپ پر خودکش حملہ ہوا۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو ملک میں بدترین خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

(iv) امریکہ چاہتا ہے کہ سیکولر قوتوں کو حکومت میں لا کر مذہبی قوتوں کو مکمل طور پر کچل دیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو سخت ترین ردّعمل صوبہ سرحد میں ہوگا جہاں مذہب کلچر کا حصہ ہے اور اسلحہ کی بھی فراوانی ہے۔ اندیشہ ہے کہ وہاں شدید مزاحمت ہوگی اور پاکستان کے مزید حصے بخرے ہو جائیں گے۔ مولانا فضل الرحمان دو بار کہہ چکے ہیں کہ اگر پیپلز پارٹی کو حکومت دی گئی تو پاکستان ٹوٹ جائے گا۔

کیا کیا جائے؟

☆ صدر مشرف سے اپیل

صدر پرویز مشرف صاحب کو چاہیے کہ:

(i) اُن تمام غیر شرعی اقدامات پر، جن کا ذکر جامعہ حفصہ کی طالبات کے خط میں ہے، اللہ کے حضور توبہ کریں۔ خاص طور پر وانا، وزیرستان، بلوچستان اور لال مسجد میں کیے جانے والے قتلِ عام پر اللہ اور مرنے والوں کے لواحقین سے معافی مانگیں۔ اِسی میں اُن کی دنیا و آخرت کی خیر ہے۔

(ii) متعدد ریٹائرڈ فوجی افسران مثلاً جنرل حمید گل، جنرل اسلم بیگ، جنرل اسد درانی، جنرل عبدالقیوم اور جنرل معین الدین حیدر صاحبان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے امریکہ کی مزید فرماں برداری سے باز آ جائیں۔ فوج اور عوام میں نفرت ملک کی سالمیت کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔

(iii) آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروا کر حکومت سیاسی قیادت کے حوالے کر دیں اور فوج کو سرحدوں کی حفاظت کی ذمہ داری تک محدود کریں۔

☆ علمائے کرام سے اپیل

علمائے کرام سے درخواست ہے کہ وہ غلبۂ دین کی جدوجہد کے لیے صحیح طریقۂ کار واضح کریں اور اِس کے مطابق عوام کو تحریک چلانے کے لیے متحرک کریں۔ علمائے کرام کے لیے مولانا عبدالعزیز صاحب کا ایک خط پیشِ خدمت ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت گرامی حضرات علماء کرام واکابرین وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعداز ہدیۂ تسلیمات وصد آداب گزارش ہے کہ آپ حضرات ہم سے بہت زیادہ اِس بات سے آگاہ ہیں کہ یہ ملک اسلام کے لیے بنا تھا اور آج ہم پاکستان کے حالات کا ذرا گہری نظر سے جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن وسنت کا نفاذ نہ ہونے کی وجہ سے آج پورا ملک قتل وغارت گری اور ظلم وستم کی آماج گاہ بنا ہوا ہے۔ ہر طاقت ور نے اپنی ریاست بنائی ہوئی ہے۔ سندھ اور بلوچستان کے کتنے ظالموں نے اپنی جیلیں بنا رکھی ہیں اور وہ ظلم وستم روا رکھا جا رہا ہے جو شاید تاریخ نے کبھی نہ دیکھا ہو۔ گلی گلی کوچے کوچے فحاشی کے سینٹرز قائم ہیں جن میں انتہائی گندی فلمیں ملک کے نوجوانوں کو مہیا کی جا رہی ہیں اور ان میں جنسی آگ لگائی جا رہی ہے۔ پھر اِس جنسی آگ کو بجھانے کے لیے ہر شہر اور بستی میں سینکڑوں بدکاری کے اڈے بااثر لوگوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی سرپرستی میں چل رہے ہیں جن میں ملک وقوم کی معصوم بچیوں کو شادی اور نوکری کے بہانے لایا جاتا ہے اور پھر اُن کی زبردستی برہنہ تصویریں بنا کر زندگی بھر کے لیے زنا کے اڈوں میں جھونک دیا جاتا ہے۔ شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ جہاد جیسے اسلامی فریضے کو دہشت گردی کہا جا رہا ہے۔ اسلام آباد کے اندر ۸۰ سے زائد مساجد کو غیر قانونی کہہ کر شہید کرنے کی سازش تیار کر کے سات مساجد کو شہید کیا گیا۔ جب مظاہرے، قراردادیں، کانفرنسیں اور اسمبلی کے فورم پر آواز بے اثر ثابت ہوئی تو انتہائی مجبوری کی صورت میں جامعہ حفصہ کی طالبات نے سرکاری عمارت پر قبضہ کر کے حکومت کو ایک نئے انداز میں چیلنج دیا اور حکومت کو مجبور کیا کہ وہ مساجد گرانے سے باز آجائے۔ الحمدللہ مساجد گرانے کا سلسلہ بند ہوا اور اِس کے ساتھ ساتھ جامعہ حفصہ کی طالبات نے ملک میں تمام پریشانیوں کے حل کے لیے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ بھی کر دیا۔ پھر جب اسلام آباد میں لال مسجد کے قریب ایک تیرہ سالہ بدکاری کے اڈے کا علم ہوا جس اڈے کو چلانے والی عورت پر قریبی تھانے میں کئی مقدمات درج ہیں، لیکن چونکہ اِس عورت کے بااثر لوگوں سے تعلقات تھے، اِس وجہ سے پولیس کارروائی کرنے میں بے بس نظر آتی تھی، تو ایک کارروائی کر کے اِس بدکاری کے اڈے کو جہاں یومیہ سو سے ڈیڑھ سو مرد آتے تھے اور ہماری مسلمان بہنوں

سے زنا کرتے تھے' اِس اڈے کو بند کرا دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام نافذ کرنا حکومت کا فرض ہے اور منکرات کا خاتمہ حکومت کا فرض ہے' لیکن حکومت اسلام کو نافذ نہ کرے اور منکرات کا خاتمہ نہ کرے' بلکہ اسلام کے خلاف پوری توانائی کے ساتھ سازشیں کرے اور منکرات کو عام کرنے کے لیے ساری طاقت لگا دے تو آیا علماء کا فریضہ نہیں بنتا کہ ایسی صورت میں وہ حکومت کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں؟ اگر ایک مدرسہ حکومت کے خلاف ڈٹ جاتا ہے اور حکومت کو مساجد کی تعمیر پر مجبور کر دیتا ہے' حکومت کو مشکل میں ڈال دیتا ہے تو آپ بزرگوں کی رہنمائی میں سارے مدارس نفاذِ اسلام کے لیے ڈٹ جائیں اور منکرات کے خاتمے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں تو کیا صورتِ حال بہتر نہ ہو جائے گی؟ لیکن افسوس یہ ہے کہ اِن تین مہینوں میں ساری توانائی صرف اور صرف ایک نکتہ پر صرف کی گئی کہ کس طریقے سے جامعہ حفصہ والوں کو اپنے موقف سے ہٹایا جائے۔ کیا ایک میٹنگ بھی اِس کے لیے ہوئی کہ حکومت پر کس طرح دباؤ ڈالیں کہ وہ نفاذِ اسلام کی کوشش کرے اور منکرات کا خاتمہ کرے؟ میں آپ حضرات سے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ جب آپ ایک طرف ہمارے طلبہ وطالبات کے موقف کی تائید کرتے ہیں اور کچھ طریقۂ کار میں اختلاف ہے تو میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ وفاق والے بزرگ لال مسجد میں پورے ملک سے تمام بڑے بزرگوں کا ایک اجتماع منعقد کریں اور اِس میں سارے بزرگ چند دن کا اعتکاف کریں اور اللہ سے خوب مانگیں اور اِس کے بعد آپ بزرگوں کی آراء کی روشنی میں صحیح نہج پر کوئی مؤثر طریقۂ کار وضع کر کے کسی ایک بزرگ کے ہاتھ پر نفاذِ شریعت کی تحریک چلانے کے لیے بیعت کا اعلان کریں۔ ربِّ کعبہ کی قسم! میں سب سے پہلے اُس کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے لیے تیار ہوں اور پھر جیسے وہ بتائیں گے اُس ترتیب سے چلنے کے لیے تیار ہوں۔ جب آپ بزرگ حضرات آگے آئیں گے تو اِن شاء اللہ برکت بھی بہت زیادہ ہوگی اور ہم چھوٹے جو غلطیاں کر رہے ہیں اُس کا ازالہ ہو جائے گا۔ اِس کے لیے میں آپ کا شدت سے انتظار کروں گا۔ اِس کے ساتھ ساتھ ایک دردمندانہ گزارش بھی ہے کہ جب آپ جامعہ حفصہؓ کے موقف کی تائید بھی کرتے ہیں تو پھر صرف طریقۂ کار کے اختلاف کو بنیاد بنا کر ہزار طلبہ وطالبات کے تعلیمی مستقبل کو داؤ پر لگنے سے بچائیے' اِن کا الحاق بحال کیجیے اور اِن کے سروں پر دستِ شفقت رکھیے۔ سارے طلبہ وطالبات' اساتذہ و معلمات آپ کے انتہائی مشکور ہوں گے۔

مولانا عبدالعزیز

☆خودکش حملہ کرنے والوں سے اپیل

خودکش حملوں کی منصوبہ بندی کرنے والوں سے اپیل ہے کہ وہ حکومت کے ظالمانہ اقدامات کے ردّعمل میں ایسا کام نہ کریں جس سے ہمارے دشمنوں کے مقاصد پورے ہوں۔خودکش حملوں سے نفاذِ اسلام کی منزل ہرگز حاصل نہ ہوگی' بلکہ بےقصورلوگوں کی ہلاکت سے ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں جلنے کا خطرہ ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴿٩٣﴾﴾ (النساء)

''اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اُس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اُس پر غضب ناک ہوگا اور اُس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

☆عوام سے اپیل

ہمیں چاہیے کہ عبدالرشید غازی صاحب کے آخری پیغام پر عمل کریں اور ملک میں دین کے غلبہ کے لیے مال و جان سے بھرپور جدوجہد کریں' تاکہ ثابت ہو کہ: ؎

گر اک چراغِ حقیقت کو گل کیا تم نے تو موجِ دُود سے صد آفتاب ابھریں گے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط﴾ (الحج :٧٨)

''اور اللہ کی راہ میں ایسے جہاد کرو جیسا کہ (اس کی راہ میں) جہاد کرنے کا حق ہے''۔

البتہ غلبۂ دین کی جدوجہد کے لیے نبوی طریقۂ کار اختیار کرنے ہی سے مثبت نتائج نکلیں گے۔ اِس طریقۂ کار کے مطابق ہمیں چاہیے کہ :

(i) قرآنِ حکیم کے ذریعے سے دعوت دیں اور لوگوں میں غیر شرعی نظام کے خلاف نفرت اور اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کے لیے مال و جان لگانے کا جذبہ بیدار کریں۔

(ii) جو لوگ دعوت قبول کریں اُنہیں بیعتِ سمع و طاعت کے مسنون نظم کے تحت منظّم کریں۔

(iii) جو لوگ نظم کے ساتھ منسلک ہوں اُن کی تربیت و تزکیہ کا اہتمام کریں۔

(iv) جب تک باعمل افراد کی مناسب قوت فراہم نہ ہو نہی عن المنکر باللسان کا عمل زور و شور سے جاری رکھیں۔

(۷) مناسب افرادی قوت کی فراہمی پر حکومت کے خلاف پُرامن اور منظّم احتجاج کریں۔
تفصیلات کے لیے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتاب ''رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

شہداء کے لیے نوید

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے مؤرخہ ۱۳ جولائی ۲۰۰۷ کو خطبۂ جمعہ میں اپنے اِن تأثرات کا اظہار کیا کہ عبدالرشید غازی صاحب کی شہادت کو کسی درجہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ایک مشابہت حاصل ہوئی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسولؐ ہیں اور کوئی غیر صحابی' صحابی کے مقام و مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ ہمارے لیے معیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں اور کسی بھی حاصل ہونے والی سعادت کا موازنہ اُنہی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ عبدالرشید غازی صاحب کی شہادت کے حضرت حسینؓ کی شہادت کے ساتھ مشابہت کے مظاہر حسبِ ذیل ہیں:

(۱) حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلافت کو صحیح روح کے ساتھ برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اُن کا موقف یہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹے کے خلیفہ بننے سے خلافت' ملوکیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ عبدالرشید غازی صاحب کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ پاکستان میں خلافت کا نظام قائم کیا جائے۔

(۲) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کبار صحابہ کرامؓ نے عملی قدم اٹھانے سے منع کیا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے خاص طور پر اُنہیں کوفہ والوں پر اعتماد نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اِسی طرح عبدالرشید غازی صاحب کو بھی جید علماء نے حکومت کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھانے سے منع کرنے کی کوشش کی۔

(۳) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ والوں کی طرف سے تعاون کی زبردست یقین دہانیاں حاصل ہوئیں۔ خطوط کے بھرے ہوئے تھیلے اُن کو موصول ہوئے جن میں ساتھ دینے کا عزم تھا۔ اِسی طرح عبدالرشید غازی صاحب کو بھی لوگوں نے خطوط' ٹیلی فون اور ای میل کے ذریعے تعاون کی بڑے پیمانے پر یقین دہانیاں کرائیں۔

(۴) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تعاون کی یقین دہانی کرانے والوں کی طرف سے مایوس کن طرزِ عمل کا سامنا ہوا۔ یہی صورت عبدالرشید غازی صاحب کے ساتھ بھی پیش آئی۔

(۵) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے متوقع تعاون نہ ملنے پر معاہدے کی پیش کش کی کہ:

(i) اُنہیں دمشق جانے دیا جائے تا کہ وہ یزید سے براہِ راست بات کر کے معاملہ طے کرلیں۔ یا

(ii) اُنہیں حجاز واپس جانے دیا جائے۔ وہ وہاں جا کر مستقبل کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ یا

(iii) اُنہیں عراق کی سرحدوں پر بھیج دیا جائے تا کہ وہ وہاں جہاد میں شرکت کرسکیں۔

اِسی طرح عبدالرشید غازی صاحب نے حکومت کو معاہدے کی پیش کش کی کہ اُنہیں باعزت طور پر مسجد سے باہر آنے دیا جائے اور وہ قانونی تقاضوں کا سامنا کرنے کو تیار ہیں۔

(۶) حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مخالفین نے جبری شرائط منظور کروانے کی کوشش کی جسے اُنہوں نے قبول نہیں فرمایا۔ عبدالرشید غازی صاحب کو بھی حکومت نے جبری شرائط پر معاہدے کی پیش کش کی جو اُن کے لیے قابل قبول نہیں تھیں۔

(۷) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت کو ترجیح دی لیکن جبری شرائط پر مخالفین کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ عبدالرشید غازی صاحب نے بھی شہادت کو ترجیح دی اور آخری وقت میں مختلف چینلز پر انٹرویوز دیتے ہوئے کہا کہ وہ بزدلی کی موت پر شہادت کی موت کو ترجیح دیں گے۔ اُنہوں نے بتایا کہ اُن کی والدہ کو کئی گولیاں لگ چکی ہیں' میں نے اُنہیں کلمہ پڑھایا ہے اور اب میرا بھی آخری وقت قریب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میڈیا کے لوگ مدرسہ میں آ کر دیکھیں کہ یہاں صرف چودہ کلاشنکوفوں کے علاوہ کوئی اسلحہ نہیں۔ ہماری شہادت کے بعد حکومت یہاں سے نجانے کیا کچھ برآمد کرے گی! اُن کی آواز میں کوئی خوف یا لرزہ طاری نہ تھا۔ بقول فیض:

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اِس جان کی کوئی بات نہیں

اور:

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم' جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا!

(۸) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خود بھی جامِ شہادت نوش کیا اور اُن کے ساتھ اُن کے خاندان کے کئی افراد بھی شہید ہوئے۔ اِسی طرح عبدالرشید غازی صاحب کے ساتھ اُن کی والدہ اور کئی رشتہ داروں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴿۱۵۴﴾﴾ (البقرۃ)

''اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں کہ وہ مردہ ہیں! بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اِس کا شعور نہیں''۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۱۷۰﴾ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۷۱﴾﴾ (آل عمران)

''اور ہرگز گمان نہ کرنا اُن کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں کہ وہ مردہ ہیں' بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ خوش ہیں اُس (انعام و اکرام) سے کہ جو اللہ نے اپنے فضل سے اُنہیں عطا فرمایا اور خوش خبریاں حاصل کر رہے ہیں اپنے بعد والوں میں سے اُن لوگوں کے بارے میں کہ جو ابھی اِن کے ساتھ شامل نہیں ہوئے' کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوشخبری حاصل کر رہے ہیں اللہ کے انعام اور (اُس کے) فضل پر' اور اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔

ظالموں کے لیے وعید

﴿وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۱۷۷﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴿۱۷۸﴾﴾ (آلِ عمران)

''اور (اے نبیؐ!) آپ کو غمگین نہ کریں وہ لوگ جو بڑی تیزی دکھاتے ہیں کفر میں۔ یقیناً وہ اللہ کا ہرگز کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں اُن کے لیے کچھ

حصہ نہ رہے‘ اور اُن کے لیے بڑا عذاب تیار ہے۔ یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑ سکتے‘ اور اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ ہم اُن کو جو مہلت دیے جاتے ہیں تو یہ اُن کے حق میں خیر ہے (نہیں‘ بلکہ) ہم اُن کو اِس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں‘ اور (آخرکار) اُن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا‘‘۔

یہ آیات اُن کفار کے لیے نازل ہوئیں جن کے حوصلے غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کے بعد بہت بڑھ چکے تھے اور وہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن اقدام کے لیے بڑی سرگرمی سے باہم مشورے اور منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ قرآنِ حکیم قیامت تک کے لیے ہدایت ہے اور اِس میں درحقیقت وہ کردار بیان کیے گئے ہیں جو ہر دَور میں موجود ہوتے ہیں۔ آج بھی شریعت کے نفاذ میں رکاوٹیں ڈالنے والے عملی اعتبار سے کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ازروئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ)

’’اور جو لوگ اللہ کے اُتارے ہوئے کلام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے پس وہی لوگ کافر ہیں‘‘۔

ایسے لوگ اپنے کافرانہ عمل میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں اور نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرنے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں‘ لیکن یہ اللہ اور اُس کے دین کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ارشاداتِ نبویؐ ہیں :

((اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ ، فَرَأَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا ، وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْهَا)) (۴)

’’اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا‘ پس میں نے اس کے تمام مشرق ومغرب دیکھ لیے ‘اور میری اُمت کی حکومت زمین پر وہاں تک پہنچ کر رہے گی جو میرے لیے لپیٹ دی گئی‘‘۔

عَنِ الْمِقْدَادِ رضی اللہ عنہ اَنَّه‘ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ((لَایَبْقٰی عَلٰی ظَهْرِالْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَا م بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ ، اِمَّا یُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَیَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا ، اَوْ یُذِلُّهُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَهَا)) قُلْتُ: فَیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (۵)

’’حضرت مقداد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے' خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بد بخت کی مغلوبیت کے ذریعے' یعنی اللہ تعالیٰ جن کو عزت عطا فرمائے گا انہیں کلمۂ اسلام کا قائل بنا دے گا اور جن کو ذلیل فرمائے گا انہیں اُس کے تابع فرما دے گا''۔ حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ اِس پر میں نے (دل میں) کہا پھر تو یقیناً دین کُل کا کُل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا''۔

بقولِ اقبال : ؎

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش　　اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود　　پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں　　محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے!　　یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!!

یہ لوگ اپنے چند روزہ اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے کافروں کے حکم پر اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کا خون بہا رہے ہیں اور چند ڈالروں کے عوض مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو کفار کے حوالے کر کے اپنے ایمان کا سودا کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ مہلت دے رہا ہے تاکہ یہ اپنے ظلم وستم سے نامۂ اعمال کو مزید سیاہ کر لیں۔ اُن کے لیے سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ کی طرف سے عذابِ عظیم' عذابِ الیم اور عذابِ مہین کی وعید ہے۔

حواشی

(۱) سنن الترمذی' کتاب الفتن' باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر۔

(۲'۳) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان.....

(٤) صحیح مسلم' کتاب الفتن واشراط الساعة' باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض۔

(٥) مسند احمد۔

ماہِ رمضان اور تلاوتِ قرآن

اِرشادالرحمٰن☆

عالمِ اسلام میں رمضانُ المبارک نیکیوں کا موسم بہار خیال کیا جاتا ہے۔ جونہی ہلالِ رمضان نظر آتا ہے لوگ جوق در جوق مساجد کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ جو سال بھر مسجد میں داخل نہیں ہوتے' وہ بھی اس ماہِ مبارک میں مسجد کی طرف محو خرام ہوتے ہیں۔ مساجد کی رونق بڑھ جاتی ہے۔ حفاظ و قراءِ کرام کے معمولات ایک خاص رُخ اختیار کر لیتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نیکیاں سمیٹنے اور اجر حاصل کرنے کی لگن اور جذبہ عام دکھائی دیتا ہے۔ تراویح میں ختم قرآن کی روایت پر عمل فرض ادا کرنے کا منظر پیش کرتا ہے۔

تراویح' روزے اور افطار کے اعمال کے ساتھ قراءت و تلاوتِ قرآن اس ماہ کا ایک خاص اور اہم عمل ہے۔ کم و بیش ہر فرد کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھے۔ قراءتِ قرآن کا یہ عمل اجر و ثواب کے اعتبار سے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یقیناً یہ ایک قابلِ رشک عمل ہے۔ لیکن اگر مسنون طریقے کے مطابق ہو تو اس پر کئی گنا زیادہ اجر ثبت ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت و تلاوت کا انداز کیا تھا؟ اس بارے میں آپؐ کی ہدایات و تعلیمات کیا ہیں؟ صحابہؓ و تابعینؒ کے معمولات کیا تھے؟ ابرار و صالحین کا طریقہ کیا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ جاننا کیوں ضروری ہے؟ اس لیے کہ قرآن کی قراءت سے جو اثرات ان لوگوں کی زندگیوں پر مرتب ہوئے وہ قابل رشک اور نشاناتِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی بھی دَور کا کوئی بھی مسلمان ان کرداروں سے لاتعلق نہیں ہو سکتا۔ مسلمان کے لیے اپنے مستقبل کی تعمیر کے لیے اپنے ماضی سے رشتہ استوار رکھنا بے حد ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں حدیث و تاریخ سے اس بارے میں کیا روشنی ملتی ہے!

رسول اللہ ﷺ پر قرآنِ مجید کا نزول سال کے بارہ مہینوں میں سے بہترین مہینے میں ہوا:

☆ نائب مدیر ہفت روزہ ایشیا' لاہور

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرہ:۱۸۵)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔''

پھر اس مبارک مہینے کی بہترین رات کو اس کے نزول کے لیے منتخب کیا گیا:

﴿اِنَّـآ اَنْزَلْنٰـهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳﴾ (القدر)

''یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

قرآنِ مجید کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں:

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷﴾ (الزُّمر)

''اور ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دی ہیں کہ یہ ہوش میں آئیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو حفظ و فہم کے لیے آسان بنا دیا:

﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾ (القمر:۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)

''اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا کہ اس قرآن کے ذریعے مؤمنوں کو نصیحت کیجیے:

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ۝۴۵﴾ (قٓ)

''پس تم قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میری تنبیہ سے ڈرے۔''

اور فرمایا:

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰـهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝۱﴾ (ابراھیم)

''ال ر۔ (اے محمدؐ!) یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ' اُن کے ربّ کی توفیق سے' اُس خدا کے راستے پر جو زبردست (اور) اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔''

نزولِ قرآن اور بعثت رسولؐ کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے آنحضورﷺ سے کہلوایا گیا:

﴿وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ﴾ (الانعام:۱۹)

''اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو متنبہ کردوں۔''

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے انعامات واکرامات کی خوشخبریوں سے اہل ایمان کے دلوں کو جذبات سے سرشار کردیا ہے' اوران خوشخبریوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی حیثیت بہت معمولی دکھائی دیتی ہے' لیکن قرآن ہی میں ایسی شدید وعید بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے جو دلوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ (طٰہٰ)

''اور (اے نبیؐ!) اسی طرح ہم نے اسے قرآنِ عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح سے تنبیہات کی ہیں شاید کہ یہ لوگ (کج روی سے) بچیں یا ان میں (اس کی بدولت) کچھ ہوش کے آثار پیدا ہوں۔''

اس قرآن کی جلالت وعظمت شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (الحشر:۲۱)

''اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ دبا جارہا ہے' اللہ کے خوف سے پھٹا پڑتا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم کے تعارف پر مبنی رسول اللہﷺ کی جو حدیث بیان فرمائی ہے' قرآن کے بارے میں اس سے مفصل حدیث شاید ہی کوئی ہو۔ حضرت حارث اعور رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ لوگ اپنی باتوں میں بحث مباحثہ کررہے ہیں۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو بتایا تو

انھوں نے کہا: ''کیا لوگوں نے یہ کام شروع کر دیا؟'' میں نے عرض کیا ہاں! انہوں نے کہا: ''میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ: ''خبردار رہو! بہت جلد فتنہ رونما ہو جائے گا!'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اس سے نکلنے کی راہ کیا ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: ''کتابُ اللہ.....! اس کے اندر تم سے پہلے گزرنے والوں کے حالات' تم سے بعد میں آنے والوں کی خبریں اور تمہارے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کا حل موجود ہے۔ یہ (قرآن) فیصلہ کن کلام ہے' کوئی مذاق نہیں۔ جس نے اپنی طاقت کے غرور میں اسے پس پشت ڈالا اللہ اس کو توڑ کر رکھ دے گا۔ جس نے اس کے علاوہ کہیں اور سے ہدایت تلاش کرنے کی کوشش کی اللہ اسے گمراہ کر کے رکھ دے گا۔ یہ اللہ کی حبل متین ہے۔ یہ ذکر حکیم ہے۔ یہ صراطِ مستقیم ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے ہوتے ہوئے خواہشات تمہیں بھٹکا نہیں سکیں گی۔ اس کی موجودگی میں زبانوں کو اختلاف کرنے کی مجال نہیں ہوگی۔ علماء اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکیں گے۔ بہت زیادہ پڑھے جانے کے باوجود اس کی لذتِ قراءت وسماعت ختم نہیں ہوگی۔ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ یہی وہ کلام ہے جس کو سن کر جن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے تھے: **اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ**۔ جو اس قرآن کی بنیاد پر بات کرے گا وہ سچ کہے گا' جو اس پر عمل کرے گا اجر پائے گا' جو اس کی طرف بلائے گا اسے راہِ مستقیم کی طرف رہنمائی مل گئی!'' (ترمذی' دارمی)

یہ قرآن حیات القلوب ہے' دل زنگ آلود ہو جائیں تو اس کی تلاوت وقراءت دلوں کے زنگ اتار پھینکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس طرح لوہے کو پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے اسی طرح دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے۔'' پوچھا گیا یارسول اللہ! اس کی صفائی کا ذریعہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''موت کو کثرت سے یاد رکھنا اور قرآن کی تلاوت کثرت سے کرنا۔'' (بیہقی)

قرآن خود اپنے الفاظ کے مطابق انسانیت کے لیے شفا ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ.....﴾(بنی اسراء یل:۸۲)

''اور ہم اِس قرآن کے سلسلۂ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔''

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ (یونس)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ اور (یہ وہ چیز ہے) جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں اُن کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔''

قرآن روحانی و قلبی شفا تو ہے ہی' جسمانی شفاء بھی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہر رات کو جب بستر پر جاتے تو یہ سورتیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکتے' پھر جسم کے جس حصے تک ہاتھ پہنچتے دونوں ہاتھ پھیرتے' آپؐ سر اور چہرے سے شروع کر کے جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے۔ یہ عمل آپ ﷺ تین بار کرتے۔ (بخاری' مسلم)

اس قرآن کی تلاوت' قراءت' اس کے اوپر تدبر' تفکر' اس کی تعلیم و تدریس اور تعلّم و تفقہ اہل ایمان پر واجب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ' (یہاں قرآن بھی پڑھا کرو) شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے۔'' (مسلم)

قرآن پڑھنے والے اہل ایمان کی مثالیں احادیث نبویؐ میں مذکور ہیں اور ان مثالوں نے قرآن کی تلاوت و قراءت کی اہمیت کو کھول کر بیان کیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مؤمن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال سنگترے جیسی ہے' اس کی خوشبو بھی خوشگوار ہوتی ہے اور ذائقہ بھی دل پذیر! اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا' کھجور جیسی ہے' اس کی کوئی خوشبو نہیں لیکن ذائقہ شیریں ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اندرائن جیسی ہے' جس کی خوشبو بھی نہیں اور ذائقہ بھی کڑوا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے سرس (خوشبودار پھول) جیسی ہے' جس کی خوشبو خوشگوار ہوتی ہے مگر ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں قرآن کے پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کی مثال یوں دی گئی ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن سیکھو اور اس کو پڑھو۔ جو شخص قرآن کو سیکھے' پھر اس کو پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کی مثال اس مشکیزے جیسی ہے جو مُشک سے بھرا ہوا ہو تو اس کی خوشبو سارے ماحول کو معطر کر دیتی ہے۔ اور وہ شخص جو

قرآن کو سیکھے اور پھر نہ پڑھے' بلکہ سو جائے' حالانکہ قرآن اس کے سینے میں ہے' تو اس کی مثال اس مشکیزے جیسی ہے جس کے اندر مشک کو بھرنے کے بعد سیل بند کر دیا گیا ہو (یعنی اس کی خوشبو باہر نہ نکل سکتی ہو)''۔ (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کچھ لوگ اللہ کے کسی گھر (مسجد) میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور ایک دوسرے سے فہم و استفادہ کریں تو لازماً ان کے اوپر سکینت کا نزول ہوتا ہے' رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے' فرشتے ان کے اوپر سایہ فگن ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں میں ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے۔'' (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں کمزور مہاجرین کے ایک گروہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے کچھ تو دوسروں کے کپڑوں سے اپنے آپ کو چھپا رہے تھے (یعنی لباس کی کمیابی تھی) اور اُس وقت ایک قاری ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا کہ اسی دوران رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپؐ آ کر ہمارے پاس کھڑے ہو گئے تو قاری خاموش ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سلام کہا اور دریافت کیا: ''تم یہ کیا کر رہے تھے؟'' ہم نے عرض کیا: ہم قرآنِ مجید سن رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس اللہ کا شکر ہے جس نے میری اُمت کے اندر ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جن کے ساتھ میں اپنے آپ کو جوڑے رکھوں''۔ پھر آپ ﷺ ہمارے درمیان میں اس طرح بیٹھ گئے کہ آپؐ نمایاں نظر نہ آئیں۔ پھر آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے دائرہ بنانے کو کہا۔ لوگوں نے دائرہ بنا لیا اور لوگوں کے چہرے نبی ﷺ کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے غریب مہاجرین! تمہارے لیے قیامت کے روز نورِ تام کی خوشخبری ہے۔ تم امیر لوگوں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور آدھے دن کا یہ عرصہ پانچ سو برس ہو گا۔'' (ابوداؤد)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ربّ تبارک و تعالیٰ کہتا ہے: قرآن جس شخص کو اپنے ساتھ مشغول رکھے اور وہ میرا (دوسرے طریقوں سے) ذکر نہ کر سکے اور مجھ سے دعا نہ کر سکے تو اس کو میں اس سے بہتر عطا کرتا ہوں جو مانگنے والوں کو عطا کرتا ہوں۔'' (ترمذی' دارمی' بیہقی)

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت و قراءت پر بہت بڑے اجر کی خوشخبری دی

ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کتاب اللہ (قرآنِ مجید) کا ایک حرف پڑھا اس کے بدلے اسے نیکی ملے گی۔ اور نیکی (کا اجر) دس گنا تک ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے' بلکہ (یہ کہتا ہوں کہ) ''الف'' ایک حرف ہے ''لام'' ایک حرف ہے اور ''میم'' ایک حرف ہے۔'' (ترمذی' حدیث حسن صحیح)

قرآنِ کریم کے قاری اور اس کی تلاوت وقراءت کا اہتمام کرنے والے کے لیے بلند مقام اور ارفع منازل کی نوید سنائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر بھی ہے وہ لکھنے والے مکرم و پاک (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا' اور وہ شخص جو قرآن پڑھے تو اُس کے لیے اس کا پڑھنا مشکل گزرتا ہو تو اُس کے لیے دو اجر ہیں۔'' (بخاری ومسلم)

رسول صادق ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا: پڑھتے جاؤ اور (بلندی کی طرف) چڑھتے جاؤ' اور اُس طرح ترتیل سے پڑھتے جاؤ جیسے دنیا کے گھر میں پڑھتے تھے۔ تمہاری منزل اس آخری آیت پر ہوگی جو تم پڑھو گے۔'' (ترمذی' ابوداؤد)

قرآن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع ہوگا۔ وہ اس کے لیے اللہ کی رضا وخوشنودی لائے گا اور ان کے ہاتھ پکڑ کر انھیں جنتوں کی طرف لے جائے گا۔ حضرت ابوامامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''قرآن پڑھا کرو' وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا۔'' (مسلم)

حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن ایسا شفیع ہوگا جس کی سفارش قبول کی جائے گی' اور ایسا جدال کرنے والا ہوگا جس کے دلائل کو مانا جائے گا۔ جو شخص اس قرآن کو اپنے پیش نظر رکھے گا اسے یہ جنت کی طرف لے جائے گا۔ اور جو اسے پس پشت ڈال دے گا اسے یہ جہنم کی طرف ہنکا کر لے جائے گا۔'' (ابنِ حبان)

اسی طرح قرآن کی بعض سورتوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بات چیت کریں گی' یہاں تک کہ اُن پڑھنے والوں کو بخش دیا جائے گا۔ قرآنِ کریم کا اپنے پڑھنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مسلسل یہ مطالبہ رہے گا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خلعتِ کرامت سے نوازا جائے گا۔ اور اس سے بھی اگلا مطالبہ قرآنِ کریم کا ان کے بارے میں یہ ہوگا کہ اے اللہ ان سے راضی ہو جا! تو اللہ تعالیٰ

ان سے راضی ہو جائے گا۔

حاملینِ قرآن کو تو اللہ تعالیٰ کے ''اہل'' اور ''خاص'' لوگ کہا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں میں سے (کچھ لوگ) اللہ تعالیٰ کے ''اھل'' ہوتے ہیں۔'' پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اہلِ قرآن اللہ تعالیٰ کے اہل اور اُس کے خاص لوگ ہیں۔'' (احمد)

جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں تو یہ اہلِ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کو ترنم سے پڑھ رہے ہوتے ہیں' اور جب لوگ قہقہے لگا رہے ہوں تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں۔ جب لوگ اپنی خواہشات میں مدہوش اور لذتوں میں غرق ہوتے ہیں تو یہ اپنے ارفع خیالات کو عملی جامہ پہنانے میں مشغول ہوتے ہیں اور یقیناً یہی چیز ہے جس میں مسابقت کرنے والوں کو مسابقت کرنی چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو چیزوں کے علاوہ کسی چیز میں حسد جائز نہیں' ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہو اور وہ شب و روز کے لمحات میں اسے تلاوت کرتا ہے تو اس کا ہمسایہ اسے سن کر کہتا ہے: کاش! مجھے بھی فلاں کی مانند (علم قرآن) دیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔ اور دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ حق کے کاموں میں اسے خوب خرچ کرتا ہو تو اسے دیکھ کر بھی کوئی آدمی کہے کہ کاش! مجھے بھی فلاں کی مانند مال دیا جاتا تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔'' (بخاری)

قرآن سیکھنے والے کی عظمت شان اور رفعت مقام تو زبان زدِ عوام ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں افضل وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔'' (بخاری)

قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن کی قراءت اخلاص کے ساتھ ہو اور اس سے مقصود و مطلوب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو۔ اسے اپنے ان اعمال کو ریاکاری و شہرت پسندی سے بالکل پاک رکھنا چاہیے اور حقیر و فانی دنیاوی اغراض کی نذر ہونے سے بچانا چاہیے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہو گیا تو اس کا وبال قرآن پڑھنے والوں کو جہنم تک پہنچا کر چھوڑے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق قیامت کے روز جن لوگوں کا سب سے پہلے حساب ہو گا ان میں ایک وہ شخص ہو گا جس

نے علم سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور قرآن پڑھا' اُسے اللہ اپنے سامنے حاضر کرے گا اور اس پر اپنی نعمتیں جتلائے گا تو وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ اللہ پوچھے گا: ''تو نے ان کے بدلے میں کیا عمل کیا؟'' وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کی خاطر قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے جھوٹ بولا' علم تو نے اس لیے حاصل کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن کی قراءت اس لیے کیا کرتا تھا کہ یہ کہا جائے کہ بہت بڑا قاری ہے۔'' پھر اُسے مُنہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم' احمد' نسائی)

جہاں قرآنِ کریم کو خوب صورت آواز اور خوب صورت لہجے میں پڑھنے کی ترغیب اور اس کی حوصلہ افزائی کا ذکر ہے وہیں قرآن کے قاری کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس حصۂ قرآن پر غور وفکر کرے جو وہ تلاوت کر رہا ہے' تاکہ قرآن کی قراءت اپنے نتائج دے سکے۔ قرآنِ حکیم پر غور وفکر کرنے اور اس کے مطالب و مفاہیم پر سوچ بچار کرنے کا حکم قرآن کے اندر ہی متعدد مقامات پر آیا ہے' جب کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے صرف ایک آیت کی قراءت کے ساتھ قیام کیا اور اس کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ یہ آیت تھی:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ (المائدۃ)

''(پروردگار!) اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں' اور اگر تو ان کو معاف فرمادے تو تو غالب ہے' حکمت والا ہے''۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ آیت بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (الجاثیۃ)

''کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے' یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم انہیں اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ایک جیسا کر دیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے؟ بہت بُرے حکم ہیں جو یہ لوگ لگاتے ہیں۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو

آپؐ نے (نماز میں) سورۃ البقرۃ پڑھنا شروع کی۔ میں نے خیال کیا کہ سو آیات پڑھ کر آپؐ رکوع کریں گے، مگر آپؐ (نے رکوع نہ کیا اور) مسلسل پڑھتے گئے۔ میں نے سوچا ایک رکعت آپؐ سورۃ البقرۃ کے ساتھ ہی پڑھیں گے، مگر آپؐ (نے یہاں بھی رکوع نہ کیا اور) پڑھتے گئے اور پھر النساء شروع کر دی، اسے پڑھنے کے بعد آلِ عمران شروع کر دی اور اسے بھی پڑھ لیا۔ آپؐ اس اطمینان کے ساتھ پڑھتے تھے کہ جب کوئی آیت آتی جس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہوتی تو اس پر آپؐ سبحان اللہ پڑھتے اور جب کچھ مانگنے کا مقام آتا تو مانگتے اور جہاں پناہ حاصل کرنے کا مقام ہوتا وہاں تعوذ پڑھتے۔ اس کے بعد آپؐ نے رکوع کیا..... (مسلم)

قرآنِ مجید کے اندر وعدہ بھی ہے اور وعید بھی، تنبیہہ بھی ہے اور تخویف بھی، جنت کی خوبیاں بھی ہیں اور جہنم کی ہولناکیاں بھی۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ خوبیاں دیکھ کر جنت کے حصول کا شوق اور حرص پیدا ہو، اور ہولناکیوں کا ذکر سن کر جہنم سے خوف کی کیفیت پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ (الزُّمر:۲۳)

''اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جو دوہرائی ہوئی ہے (جس میں بار بار مضامین دوہرائے گئے ہیں)۔ اُسے سن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے ربّ سے ڈرنے والے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝﴾ (بنی اسراء یل)

''جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے انھیں جب یہ (قرآن) سنایا جاتا ہے تو وہ

منہ کے بل گر جاتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے' اور پکار اٹھتے ہیں: پاک ہے ہمارا ربّ' اس کا وعدہ تو لازماً پورا ہونا ہی تھا۔ اور وہ منہ کے بل روتے ہوئے گر جاتے ہیں اور (اسے سن کر) اُن کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے۔''

صحابہ کرام ؓ کتابُ اللہ کی تلاوت کرتے تو اس کی آیات سے اس قدر متأثر ہوتے کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے' آنکھیں بہہ پڑتیں اور دل دہل جاتے' پھر وہ اپنے ہاتھ بلند کرتے اور گریہ زاری کے عالم میں اپنے ربّ سے قبولیتِ اعمال کی دعا کرتے۔ اس سے اپنے گناہوں کی بخشش کی التجا کرتے' اس کی جنت کے حصول کی تمنا کرتے اور جہنم سے پناہ مانگتے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے گھر کے صحن میں نماز کے لیے ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی' آپؓ وہاں نماز پڑھتے اور قرآن کی قراءت کرتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے آپؓ کو دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے' وہ آپؓ کو دیکھ کر حیران ہوتے' بلکہ ایک آدمی تو ایسا تھا کہ جب آپؓ قرآن پڑھتے تو وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکتا' وہ روتا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے۔ حضرت عمر ؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے تو دورانِ قراءت رو پڑتے اور اس قدر روتے کہ پڑھنے کا سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے سورۃ المطففین پڑھنا شروع کی' جب یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْن پر پہنچے تو رو پڑے اور اس قدر روئے کہ اس سے آگے پڑھنا ممکن نہ رہا۔ (بحوالہ التذکار)

جو شخص پوری دیانت داری اور طلب ہدایت کے ارادے سے قرآن کو کتابِ ہدایت و شفا سمجھ کر اس کی طرف آتا ہے اس شخص پر قرآن کی عجیب تأثیر ہوتی ہے۔ اس کی شخصیت میں گہری بنیادوں پر استوار ہونے والا ایک مکمل انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ اس کی شخصیت کی ڈھلائی اور تشکیل ایک ایسے نئے انداز سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہوتی ہے۔ اس بات میں اگر کسی کو شک ہو تو وہ اُن اصحابِ رسول ﷺ کی زندگیوں کا مطالعہ کرے جو اسلام سے قبل جاہلیت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے' لیکن اسی حالت میں جب قرآن کی کٹھالی میں داخل ہوتے ہیں تو ایسے نئے انسان بن کر باہر نکلتے ہیں جن پر ساری انسانیت کو آج تک فخر ہے۔

کیا آج قرآن کی تأثیر ختم ہو گئی ہے؟ ہرگز نہیں! قرآن کی تأثیر ختم نہیں ہوئی' بلکہ وہ دل ختم ہو گئے ہیں جن کے اندر یہ تأثیر پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کی تأثیر آج بھی وہی ہے جو چودہ

سو برس قبل تھی۔ یہ آج بھی وہی معجزہ ہے جو چودہ سو برس قبل تھا۔ اگر نہیں ہے تو ہمارے سینوں میں وہ دل اور دماغوں میں وہ عقل نہیں ہے جو اس کے مفہوم کا حقیقی مقصد سمجھے اور اسے قبول کر کے زندگی کو اس کے مطابق چلانے کا ارادہ وعزم کرے۔

ہم اپنی صورتِ حال کو دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے (حافظ، قاری اور عوام) اس انداز میں پڑھتے ہیں کہ انھیں کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں، بلکہ بعض اوقات تو حروف والفاظ بھی نگل لیے جاتے ہیں اور بسا اوقات پوری پوری آیت ہی غائب ہو جاتی ہے۔ ان کو قرآن مکمل کرنے اور ختم کرنے کی فکر ہوتی ہے، اسی لیے نہ تو وہ آیات پر تأمل کر سکتے ہیں، نہ نصیحتوں پر تفکر کرتے ہیں۔ وعدوں اور خوشخبریوں کی وہ آیات بھی ان کے اندر کوئی سرشاری پیدا کیے بغیر گزر جاتی ہیں جن پر اگر ذرا سا غور کیا جائے تو دل فرطِ شوق سے پھٹ پڑے۔ وہ وعید کی آیات کو بھی سرسری طور پر پڑھ جاتے ہیں جن پر اگر ذرا سا تأمل بھی کیا جائے تو دل کے تار خوف وخشیت کے مارے ٹوٹ گریں۔ یہاں تو نہ پہلی قسم کے لیے کوئی شوق ہے نہ دوسری کے لیے کوئی خوف! نہ حروفِ قرآن کو قائم رکھا جاتا ہے اور نہ انھیں ان کا حق دیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے روز دیکھا کہ آپؐ اپنی اونٹنی پر بیٹھے ہیں اور سورۂ فتح پڑھ رہے ہیں اور اس کی قراءت ترجیع (تکرار) کے ساتھ کر رہے ہیں۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''پورا قرآن پڑھنے کے بجائے ترتیل کے ساتھ ایک سورۃ کو پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے۔'' قرآن کی قراءت میں بہت زیادہ اور نامناسب تیز رفتاری سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ کسی آدمی نے اُن سے کہا: میں مفصل (آخری پاروں کی سورتیں) ایک رکعت میں پڑھتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ تو بالوں کی طرح کسی چیز کو کاٹ دینا ہے۔ کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جب قرآن دل میں اتر جاتا ہے اور وہاں پیوست ہو جاتا ہے تو فائدہ بھی دیتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾﴾ (النساء)

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پاتے''۔

یہ آیت پڑھتے ہوئے محمد بن حسین فرماتے ہیں: ''اللہ تم پر رحم فرمائے! کیا تم اپنے مولائے کریم کی طرف نہیں دیکھ رہے؟ وہ کیسے اپنی مخلوق کو اپنے کلام پر تدبر پر ابھار رہا ہے۔ اور جو شخص اس کے کلام پر تدبر کرتا ہے وہ اپنے ربّ کو پہچان لیتا ہے' اس کی عظیم سلطنت وقدرت کو پہچان لیتا ہے' مؤمنوں پر اس کی بہت بڑی رحمت کو پہچان لیتا ہے اور وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض کو بھی پہچان لیتا ہے۔ پھر وہ اپنے نفس کو فرض اور واجب کے ساتھ مربوط کر لیتا ہے اور ہر اُس چیز سے بچتا ہے جس سے اس کے مولائے کریم نے اسے ڈرایا ہے اور ہر اُس چیز میں رغبت رکھتا ہے جس کی ترغیب اس کے مولا نے دی ہو۔ خود تلاوتِ قرآن کرتے وقت یا کسی دوسرے سے سنتے وقت جس شخص کے اندر یہ صفت موجود ہو قرآن اس کے لیے شفاء ہوگا۔ وہ شخص دولت کے بغیر مال دار ہوگا' قبیلہ وکنبہ کے بغیر باعزت ہوگا' اس چیز سے اس کو اُنس ہوگا جس سے دوسروں کو وحشت ہوتی ہے۔ کسی سورۃ کی تلاوت کے وقت اس کی پریشانی یہ ہوتی ہے کہ کب میں اس حصۂ قرآن سے سبق حاصل کروں گا جو میں تلاوت کر رہا ہوں؟ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ سورۃ کب ختم کروں گا' بلکہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ سے ہم کلامی کا مفہوم کب سمجھوں گا؟ کب تنبیہ حاصل کروں گا؟ کب نصیحت حاصل کروں گا؟ کیونکہ تلاوتِ قرآن عبادت ہے اور عبادت غفلت کے ساتھ نہیں کی جاتی۔'' (اخلاق اھل القرآن)

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اپنی قراءت کئی حصوں (ٹکڑوں) میں کرتے تھے اور ہر آیت پر وقف کرتے تھے۔ آپؐ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھتے اور وقف کرتے' اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتے اور وقف کرتے' مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھتے اور وقف کرتے''۔

امام زہریؒ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قراءت آیت آیت ہوتی تھی اور یہی افضل (طریقہ) ہے۔ رسول اللہ ﷺ سورت کو ایسی ترتیل کے ساتھ پڑھتے کہ سورت جتنی طویل ہوتی اس سے بھی زیادہ طویل ہو جاتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''قرآن کو بالوں کی طرح نہ کاٹو اور نہ ردی اور خشک کھجوروں کی مانند پھینک دو' بلکہ اس کے عجائب پر توقف کرو اور دلوں کو حرکت دو' تمہاری توجہ سورت کے اختتام پر نہیں ہونی چاہیے!'' (زادُ المعاد)

قرآن حکیم اور رمضان المبارک کے مابین خصوصی تعلق اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''روزہ اور قرآن دونوں بندے کے لیے شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: پروردگار! میں نے اس کو دن میں کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانیہ سے روکے رکھا' پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: پروردگار! میں نے رات کو اسے سونے سے روکے رکھا' پس میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما۔ پس دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی''۔ (احمد' طبرانی' حاکم)

ہمارے ہاں نمازِ تراویح میں قرآن سنانے والوں میں بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو وقار و سکینت کے ساتھ قرآن کریم کی قراءت کرتے ہیں۔ بیشتر کا انداز تو انتہائی نامناسب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقتدیوں کو الفاظ کی بھی پہچان نہیں ہو پاتی کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔ بس فرض کر لیا گیا ہے کہ رمضانُ المبارک کے دوران نمازِ تراویح میں قرآن ختم کرنا ہے۔ مقتدیوں میں اس قدر قوتِ برداشت نہیں ہے کہ وہ طویل قیام کر کے پورا ایک پارہ ترتیل کے ساتھ نماز میں سن سکیں۔ اس کا حل یہ تلاش کیا گیا ہے کہ حفاظ و قراء اپنی رفتار ہی اس قدر تیز کر لیں کہ گھنٹے پون گھنٹے میں پارہ سوا پارہ پڑھا جا سکے۔ یہ قرآن کے ساتھ روا رکھا جانے والا نامناسب رویہ ہے۔ حدیث و آثار سے اسلاف کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے اس کی روشنی میں تو ہمارا حال انتہائی قابل توجہ ہے۔ تاہم تلاوتِ قرآن میں اس تیز رفتاری کے ممنوع ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ انفرادی طور پر ایک مسلمان اس قدر سست ہو جائے کہ پورا مہینہ گزر جائے اور وہ ایک بار بھی قرآن ختم نہ کر سکے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 30 روپے اشاعت عام: 15 روپے

اسلام اور فیملی پلاننگ

ذیشان دانش خان

موجودہ دَور میں بڑھتی ہوئی آبادی کو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کے طور پر بیان کیا جارہا ہے۔ مغربی اور یورپی اثرات کے تحت مسلم ممالک کی آبادی کو بالخصوص نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اس مسئلے پر بلا مبالغہ اربوں ڈالر خرچ کیے جارہے ہیں۔ ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق یہ پروپیگنڈا عام کیا جارہا ہے کہ جب تک مسلم ممالک اپنی آبادی پر قابو نہیں پائیں گے وہ اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے۔ یعنی ترقی اُسی وقت ممکن ہے جب آبادی ملکی وسائل کے مطابق ہوگی' اور چونکہ وسائل محدود ہوتے ہیں لہٰذا کہا جارہا ہے کہ آبادی میں اضافہ کی شرح کم کر کے اس میں نسبت و تناسب قائم کرنا ایک ناگزیر عمل ہے اور اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ جو لوگ فیملی پلاننگ کے حق میں دلائل دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فیملی پلاننگ سے مراد یہ ہے کہ انسانی زندگی میں مصنوعی اور غیر فطری طریقے اختیار کر کے شرحِ ولادت کو کم کیا جائے' تاکہ آبادی اور وسائل میں توازن قائم کر کے زندگی خوشحال بنائی جائے۔ انگریزی لغت میں فیملی پلاننگ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ''وقفے یا حمل کی رکاوٹ کے ذریعے خاندانوں کی تحدید کا تصور یا پروگرام خاندانی منصوبہ بندی کہلاتا ہے''۔ یعنی ایک اولاد کے بعد دوسری اولاد کے ہونے تک اتنا وقفہ رکھا جائے کہ کثرتِ اولاد والدین کی پریشانی کا سبب نہ ہو' یعنی اولاد کی جسمانی و مادی پرورش اور روحانی و اخلاقی تربیت میں انہیں معاشی و معاشرتی تنگی محسوس نہ ہو۔ گویا خاندانی منصوبہ بندی کا مقصد نسل کُشی نہیں بلکہ نسل کشی یعنی اولاد کی پیدائش میں اعتدال قائم رکھنا ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو یہ پروپیگنڈا قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن مجید میں نسل انسانی کے آغاز اور افزائش نسل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی اور احسان بتایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ﴾ (النساء: ۱)

''لوگو! اپنے پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو، جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیے۔''

سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۳۱) میں اولاد کو اپنے وسائل کی کمی یا رزق کی تنگی کے خوف سے قتل کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ ﴾

''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا، کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔''

یعنی رزق دینے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہے۔ تم کیوں اولاد کو رزق کے خوف سے قتل کرتے ہو؟ جو تمھیں رزق عطا کرتا ہے وہی آنے والے کی روزی کا بندوبست بھی کر لیتا ہے۔ شریعت اسلامی میں خاندان کی بڑھوتری کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (البقرۃ)

''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو آؤ اور اپنے واسطے آگے کی تدبیر کرو، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان رکھو کہ تم کو اس (ربّ) سے ملنا ہے۔ اور (اے نبیؐ!) خوشخبری سنا دیجیے ایمان والوں کو۔''

مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے تعلقات کو اولاد بڑھانے کا ذریعہ قرار دیا ہے نہ کہ لذات میں اتنا مشغول ہونے کا ذریعہ کہ بندہ آخرت ہی کو بھول جائے، بلکہ آئندہ کے واسطے اپنے لیے کچھ نیک عمل کرنے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ اللہ کے احکامات کو کھیل تماشا نہ بنا لینا، کیونکہ بالآخر ایک دن تمھیں اس سے ملاقات کرنی ہے اور اس دن اہل ایمان کے لیے، جو اس کے احکامات کو مانتے اور عمل کرتے تھے، خوشخبری ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی کئی احادیث مبارکہ میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کی ترغیب و تحریض ہے۔ مثلاً ارشادِ نبویؐ ہے:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ ، فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ))(۱)

''زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورتوں سے شادی کرو، اس لیے کہ میں (قیامت کے دن) دوسری قوموں کے سامنے تمہاری کثرت پر فخر کروں گا''۔

اسی طرح رحمت عالم ﷺ نے بچے پیدا ہونے سے روکنے کی تدبیر کے طور پر عزل کرنے کا طریقہ اپنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک صحابیہ جدامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ اُنَاسٍ ..... سَاَلُوْهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((ذٰلِکَ الْوَأْدُ الْخَفِیُّ))(۲)

''میں دوسرے لوگوں کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی..... لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے عزل کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ بچے کو خفیہ طریقے سے زندہ درگور کرنا ہے''۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ : ذُکِرَ الْعَزْلُ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ : ((وَمَاذَاکُمْ؟)) قَالُوا: الرَّجُلُ تَکُوْنُ لَهُ الْمَرْأَةُ تُرْضِعُ فَیُصِیْبُ مِنْهَا وَیَکْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ مِنْهُ ، وَالرَّجُلُ تَکُوْنُ لَهُ الْاَمَةُ فَیُصِیْبُ مِنْهَا وَیَکْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ مِنْهُ ، قَالَ : ((فَلَا عَلَیْکُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا ذَاکُمْ فَاِنَّمَا هُوَ الْقَدَرُ)) قَالَ ابْنُ عَوْنٍ فَحَدَّثْتُ بِهِ الْحَسَنَ فَقَالَ : وَاللّٰهِ لَکَاَنَّ هٰذَا زَجْرٌ(۳)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس عزل کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ''تم کیوں کرتے ہو؟'' صحابہؓ نے عرض کیا: کسی وقت آدمی کے پاس ایسی عورت ہوتی ہے جو دودھ پلاتی ہے اور وہ اُس سے محبت کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اسے حمل ہو جائے، اور کسی کے پاس ایک لونڈی ہوتی ہے اور وہ اس سے محبت کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اسے حمل ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا مضائقہ اگر تم عزل نہ کرو؟ اس لیے کہ حمل ہونا نہ ہونا تقدیر سے ہے''۔ ابن عون نے کہا کہ میں نے یہ روایت حسن سے بیان کی تو انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! اس میں (عزل سے) جھڑکنا ہے۔''

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ اَنَّهُ بَیْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُصِیْبُ سَبْیًا فَنُحِبُّ الْاَثْمَانَ فَکَیْفَ تَرٰی فِی الْعَزْلِ؟ فَقَالَ : ((اَوَ اِنَّکُمْ تَفْعَلُوْنَ ذٰلِکَ لَا عَلَیْکُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا ذٰلِکُمْ فَاِنَّهَا لَیْسَتْ نَسَمَةٌ کَتَبَ اللّٰهُ اَنْ تَخْرُجَ اِلَّا هِیَ خَارِجَةٌ))(۴)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دوران جبکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف فرما تھے' انہوں نے آپؐ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کو قیدیوں کی صورت میں باندیاں بھی ملتی ہیں اور ہم ان کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ اب اگر ہم صحبت کے وقت عزل کر لیں تو آپ کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''کیا تم ایسا کرتے ہو؟ تم پر اس کا نہ کرنا واجب نہیں ہے' لیکن جس جان نے بھی اس دنیا میں آنا ہے وہ آ کر رہے گی''۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب ''ضبط ولادت کی تحریک'' میں فیملی پلاننگ یا خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک پر بڑی سخت تنقید کی ہے اور اسے مکمل طور پر مغربی سامراج کی ایک سازش قرار دیا ہے' اس کتاب میں کہا گیا ہے:

(۱) یہ کہ فیملی پلاننگ کی موجودہ تحریک کافی حد تک اسلام کے خلاف ایک سازش ہے۔

(۲) ترقی پذیر ملکوں میں برتھ کنٹرول کی درآمد کا مطلب یہ ہے کہ ان ملکوں میں اخلاقی بحران کی راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ اس اخلاقی انحطاط کا دائرہ خاندان کی شکست و ریخت سے لے کر جنسی بے راہ روی اور جنسی بیماریوں تک پھیلا ہوا ہے۔

(۳) عورتیں لیبر فورس میں شامل ہونے کے لیے آزاد ہوں گی' اس طریقے سے وہ اپنے روایتی کردار کو چھوڑ دیں گی۔

اسی طرح شیخ محمد ابوزہرہ جو مصر کے ایک بہت بڑے عالم' محقق اور علوم اسلامیہ و شریعت اسلامیہ پر بڑا عبور رکھنے والے بزرگ تھے' انہوں نے ۱۹۶۲ء میں مصر کے ایک جریدے ''درلواء الاسلام'' میں خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف مضمون بعنوان ''تنظیم الاسرۃ'' لکھا۔ شیخ ابوزہرہ نے قتل اولاد میں ''وَاْدٌ'' (زندہ درگور کرنا) اور اسقاطِ حمل کو بھی شامل کیا ہے' کیونکہ ان دونوں میں انسانی وجود کا قتل ہوتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

شیخ محمد ابوزہرہ نے مزید کہا کہ فقہاء کا فرض ہے کہ وہ عزل کو قابل معافی چیزوں کی فہرست میں رکھیں' اس کی اجازت ایک استثنائی واقعہ ہے۔ ایسے ہی ضبط ولادت کو ذاتی وجوہ کی بنا پر انفرادی سطح پر روا رکھا گیا ہے۔ شیخ نے اس انفرادی سطح پر مزید پابندی لگاتے ہوئے کہا ہے:

(۱) جب بیوی بہت زیادہ بیمار ہو اور بار بار حمل کی استطاعت نہ رکھتی ہو' ایسی صورت میں ضبط ولادت جائز ہے' بشرطیکہ ایک بااعتبار مسلمان ڈاکٹر مشورہ دے۔

(۲) اگر میاں یا بیوی کسی خاندانی مرض کا شکار ہوں اور انہیں ڈر ہو کہ یہ مرض بچے تک منتقل ہو جائے گا' اس صورت میں بھی مرد ولادت کے عمل کو روک سکتا ہے۔

شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ ضبط ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کی دعوت اپنی اصل اور اپنے نتیجہ کے اعتبار سے ''غیر ملکی'' ہے۔(۵)

غیر ملکی اثرات کے تحت میڈیا نے خاندانی منصوبہ بندی کا پرچار کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ معاشرے کے تمام افراد کا برین واش کرنے میں ان کا اہم کردار ہے۔ جہاں دیکھیں ''کم بچے' خوشحال گھرانا'' کا نعرہ (slogan) نظر آتا ہے۔ اس پر بھی بس نہیں' اب تو فیملی پلاننگ کے طریقوں سے آگاہی کی مہم گھر گھر چل نکلی ہے۔ اشتہارات اور لٹریچر کی بھرمار سے بچوں اور نوجوانوں کے ذہن بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ اشتہارات میں بے حیائی (vulgarity) اِس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اس کی مثال اس سے پہلے کبھی نہیں ملتی۔ یوں لگتا ہے کہ فحاشی کا سیلاب اُمڈ آیا ہے جو ہمارے معاشرے کے ہر فرد کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ یہ سب یہود و نصاریٰ کی سازشیں ہیں' وہ ہمارے خاندانی نظام کی جڑیں کھوکھلی کرنا چاہتے ہیں' لہٰذا ہمیں اپنے دشمنوں کی اس سازش کو ناکام بنانا ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس فتنے سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کسی جسمانی بیماری کی وجہ سے طبی معالج سے مشورے کے بعد فیملی پلاننگ کرتا ہے یا بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ ڈالنے کے لیے فیملی پلاننگ کے مروّجہ طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کا جواز ملتا ہے۔ لیکن فیملی پلاننگ کو باقاعدہ ایک تحریک یا مہم کی شکل دینا اور اسلامی معاشروں میں اس کے رواج کی کوشش کرنا اسلامی تعلیمات اور مقاصد شرع کے خلاف ہے۔

حواشی

(۱) سنن ابی داوٗد' کتاب النکاح' باب النهی عن تزویج من لم یلد من النساء۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب جواز الغیلة وهی وطأ المرضع و کراهة العزل۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب حکم العزل۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب البیوع' باب بیع الرقیق۔

(٥) مقاله تنظیم الاسرة' درلواء الاسلام' قاهره (١٩٦٢ء)۔

ہم کیسے مسلمان ہیں؟

اُمّ عمار عبدالخالق

ہماری زندگی میں معاشرتی نظام کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ جس طرح سیاسی نظام کے بغیر کسی اجتماعیت کا تصور نہیں کیا جا سکتا' بالکل اسی طرح معاشرتی زندگی بھی پورے نظامِ حیات میں ایک مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ معاشرتی نظام سے کسی ملک کی ثقافت کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر یہ دیکھنا ہو کہ کسی خطے یا علاقے میں کس قسم کے لوگ بستے ہیں؟ اُن کا مذہب کیا ہے؟ طور اطوار کیا ہیں؟ تو اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کی معاشرت کو بغور دیکھا جائے۔

آج کی دنیا میں اندازِ سیاست اور طرزِ معیشت میں جمہوریت اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کے غلبے کی وجہ سے بہت حد تک یکسانیت یا مشابہت پائی جاتی ہے' لیکن تہذیبی تشخص اور روایات و رسومات کا اختلاف اب بھی موجود ہے۔ یہی قوموں کی ''شناخت'' ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کس کے پیروکار ہیں؟ ان کی معاشرت کیسی ہے؟

ہم پاکستانیوں کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہم دین اسلام کے نام لیوا ہیں' اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور محمد ﷺ کو رسول برحق مانتے ہیں' مگر ہماری اکثریت کا حال یہ ہے کہ آج تک انہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ہم مسلمانوں کی معاشرت کیا ہے؟ مسلمان قوم کی حیثیت سے ہماری شناخت کیا ہے؟ ہمارے طور طریقے ہندوانہ اور مغربی ہیں' جنہیں دیکھ کر یہ گمان تو ہوتا ہے کہ شاید ہم ہندو یا عیسائی ہیں مگر ہمارے اندازِ معاشرت اور رسومات سے اسلام' قرآن اور نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی جھلک نظر نہیں آتی۔ اسلامی معاشرت سے مسلمانوں کی بے اعتنائی دیکھ کر یوں لگتا ہے شاید اسلام میں معاشرت کا شعبہ خالی ہے۔ اس کو جو جس رنگ میں بھی بھرنا چاہے بھر لے۔

ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اگر چہ ہم اسلام کے اقراری ہیں' اسلام کی تعریف و توصیف کرتے ہیں' مگر ذہناً انگریزوں کے اور عملاً ہندوؤں کے غلام بن چکے ہیں۔ ہمارا حال اس طوطے کا سا ہے جو منہ سے وہ مخصوص کلمات کہتا رہتا ہے جو اُس کے مالک نے یاد کروا دیے ہوں' مگر اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ بقول ماہر القادری مرحوم :

جس طرح سے طوطا مینا کو کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں' اس طرح سکھایا جاتا ہوں!

آیئے! معاشرتی زندگی کی چند روایات اور رسومات کے حوالے سے اپنا جائزہ لیں اور پھر دل پر ہاتھ رکھ کر یہ بتائیں کہ ہم کس کے پیروکار ہیں؟ اسلام کے یا ہندو اور انگریز کے! ہمارے معاشرے میں جو رواجات اور رسومات چلی آتی ہیں ان کی تفصیلات اور جزئیات کا بھی ہمیں علم ہے۔ ہمیں یہ بھی خبر ہے کہ کس موقع پر کون سی رسم ادا کرنی ہے' حالانکہ ان چیزوں کا اسلام سے دور دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ اندازِ معاشرت اور طور طریقے جو نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے ہمیں ملتے ہیں' اُن کا ہمیں سرے سے علم ہی نہیں ہے۔ اُن سے نہ تو ہم واقف ہیں' نہ ہمارے آباء واَجداد اور نہ ہماری اولادیں۔ جب نبی اکرم ﷺ کے اسوہ سے ہمارا عملی تعلق نہیں اور معاشرتی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن' خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کی کوئی جھلک ہماری زندگی میں نظر نہیں آتی تو پھر ہم کیسے مسلمان ہیں!

معاشرتی زندگی کے دو اہم گوشوں خوشی اور غمی کے مواقع پر مخصوص رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ یہ رسومات اور طور طریقے ہر مذہب کی تعلیمات سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کے رواج ہندومت کے مطابق اور عیسائیوں اور یہودیوں کی رسومات ان کے اپنے مذہب کے مطابق ہوتی ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہے۔ اسلام سماجی زندگی میں کن تقریبات کی اجازت دیتا ہے' اور ان تقریبات کے ضمن میں ہمارا عملی رویہ کیا ہے' اس کا تجزیہ کیا جانا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ہم صرف شادی بیاہ کی تقریبات کے حوالے سے اپنے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں۔

اسلام میں شادی بیاہ کے ضمن میں تقریبات صرف دو ہیں' نکاح اور دعوتِ ولیمہ۔ نبی اکرم ﷺ نے خود شادیاں کیں' اپنی بیٹیوں کی شادیاں کیں' آپؐ کے اصحاب کی شادیاں ہوئیں۔ ان شادیوں کا طریقہ بہت سادہ تھا' اور یہ انہی دو تقریبات پر مشتمل تھیں۔ نکاح کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ)) (ترمذی)

''نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو اور اس کو مسجدوں میں منعقد کیا کرو''۔ آپ ﷺ نے تقریب ولیمہ کی بہت تاکید کی' اور یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو ولیمے کی دعوت میں بلایا جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس میں ضرور جائے۔ شادی بیاہ کے اس سادہ طریقے کو ہم نے سنت سے ہٹ کر اور غیروں کی نقالی کر کے اس قدر پُر پیچ اور مشکل بنا دیا ہے کہ شادیوں کے معاملات کو نبھانا عذاب بن کر رہ گیا ہے۔

رشتہ کے معیار

ہمارے ہاں جب رشتہ کی تلاش ہوتی ہے اُس وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی کی شکل و صورت کیسی ہے' گھرانہ مالدار ہے یا غریب' گھر ذاتی ہے یا کرائے پر لیا ہے' لڑکی کا خاندان بڑا تو نہیں اور یہ کہ اس کے ساتھ جہیز کتنا آئے گا' اور جہیز میں کوڑے دان سے لے کر گھر اور کار تک کی بھرپور امید رکھی جاتی ہے۔

شادی کے موقع پر

پھر شادی کے موقع پر لڑکے والوں کی توقع یہ ہوتی ہے کہ لڑکی والے بارات کو اچھے سے اچھا کھانا کھلائیں' خواہ اس کے لیے انہیں ادھار لینا پڑے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ کھانا توقع اور فرمائش کے مطابق نہیں ہے تو پھر دھمکیوں جیسے حربوں سے آتش انتقام بجھائی جاتی ہے۔ اس پر مستزاد انتہائی جاہلانہ اور متکبرانہ انداز سے خالصتاً ہندوانہ طرز پر ڈھول' ڈھمکوں' آتش بازی' پٹاخوں اور ویڈیو کیمروں کے سائے تلے چلتے ہوئے اپنا استقبال کروایا جاتا ہے۔ (ذہن میں رکھیں کہ یہ ہم دین کے نام لیواؤں' حاملین قرآن' دینی جماعتوں سے تعلق رکھنے والوں' داڑھیوں والے مردوں اور برقعے والی خواتین کے ہاں بھی ہوتا ہے)۔

خواتین کا غیر مہذب رویہ

لڑکی والوں کے ہاں جا کر سسرالی خواتین خاص طور پر ایسے انداز اپناتی اور ایسی حرکتیں کرتی ہیں جو سراسر غیر اسلامی طرزِ عمل کی عکاس ہوتی ہیں۔ اپنے دل پسند فرمائشی کھانوں پر غیر مہذب انداز سے ٹوٹ پڑنا اور جانوروں کی طرح آدھی آدھی پلیٹ ضائع کرنا' آدھی بوٹی کھانا اور آدھی چھوڑ کر دوسری بوٹی کو توڑ لینا (معذرت خواہ ہوں کہ یہ مشاہدہ آنکھوں دیکھا ہے)' اور پھر طوفانِ بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں سے اٹھنا' کہاں کی انسانیت اور کہاں کی مسلمانی ہے؟ کیا ہمارے پیارے نبی ﷺ کی پاکیزہ اور درخشاں تعلیمات میں ان

چیزوں کی کوئی گنجائش ہے؟

بارات کی آمد پر جاہلانہ رسومات

بارات کی آمد کے بعد رسومات کی ادائیگی بہت دیر تک جاری رہتی ہے۔ان رسومات میں منہ دکھائی' تحفے تحائف' سلامی' دودھ پلائی' شیشہ دکھائی' جوتا چھپائی' جہیز کی نمائش اور گود بٹھائی جیسی خرافات شامل ہیں۔ پھر یہ کہ اس موقع پر فحاشی وعریانی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ ویڈیو کیمروں کے ذریعے مووی میکرز حیا باختہ مسلمان خواتین کے مختلف پوز بنا کر لطف اندوز ہوتے ہیں' اور خواتین جسم پر لگے مختصر چیتھڑوں کی بڑے فخر سے نمائش کر رہی ہوتی ہیں۔ مووی بناتے وقت تنگ اور مختصر لباس میں ملبوس نیم عریاں خواتین کے مناظر کو فلم بند کرنے سے مووی میکروں کی آنکھیں بھی گنہگار ہوتی ہیں اور خواتین کی 'بے حرمتی' بھی ہوتی ہے!!

اسراف کے کھلے مظاہرے

تصویر کا دوسرا رخ بھی حد درجہ خوفناک ہے۔ان شادیوں اور ان کی مسرفانہ تقریبات کا مشاہدہ وہ حد درجہ غریب طبقہ بھی کر رہا ہوتا ہے جو وہاں ملازموں یا بیروں کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ مفلوک الحالی کے شکار یہ لوگ انتہائی کرب اور اذیت کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ان کے گھروں میں سخت محنت اور مشقت کے باوجود انہیں اور ان کے بیوی بچوں کو دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے مہیا ہوتی ہے۔ اپنی بیٹیوں یا بہنوں کی شادیاں کرنا تو ان کے لیے سوہانِ روح ہوتا ہے۔ یہ لوگ جب ایک طرف اسراف کے ان کھلے مظاہروں اور دوسری جانب اپنی محرومیوں کو دیکھتے ہیں تو زبانِ حال سے ہی نہیں کبھی کبھار زبانِ قال سے بھی اللہ کی اس آزمائش پر شکوہ کناں ہو جاتے ہیں کہ خدایا! تیری صفتِ عدل کا ظہور کب ہوگا؟ یہ سب کچھ دیکھ کر ان کے دلوں میں حسرت' بغاوت' دشمنی' کدورت اور حسد کے شدید جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ شیطان اس صورت حال پر خوش ہوتا ہے کہ میں نے حاملینِ قرآن اور افرادِ اُمت رسولؐ کو دشمن بنا دیا۔ یہ لوگ دینی بھائی چارہ کی بات کرتے ہیں' حقیقت میں ان کے دل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے بندے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں' لیکن ان کا طرزِ عمل گواہ ہے کہ یہ میری غلامی کرتے اور میرا کہنا مانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں میری بندگی کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ازروئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَلَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ‌ۚ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۙ﴾

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ (یٰسٓ)

''(اے بنی آدم!) کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی مت کرنا؟ بے شک وہ تمہارا واضح دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری ہی بندگی کرنا' یہی سیدھا راستہ ہے۔''

میرے دینی بھائیو اور بہنو! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اللہ کی بندگی کے اِدّعا اور نبی اکرم ﷺ کے مبارک اسوہ کو اُسوۂ حسنہ جاننے کے باوجود ہم شیطان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ چنانچہ بے حیائی' عریانی' فحاشی پر مبنی مخلوط محفلیں اور اسراف وتبذیر کے کھلے مظاہرے اسی کا مظہر ہیں۔ حالانکہ ہمیں تو شیطان کی پیروی سے سختی سے روکا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ پا کی پیروی مت کرو''۔

اور ایک مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ﴾ (فاطر:٦)

''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' پس اس کو دشمن ہی بناؤ (سمجھو)''۔

عریانیت اور بے پردگی

کلمۂ طیبہ اور اسلام کی نام لیوا دلہن کا پہناوا دیکھ لیں۔ محتاط ترین الفاظ میں یہ قرونِ اولیٰ کی لونڈی اور کنیز دکھائی دیتی ہے' جسے موو ی میکر' کھانا لانے والے بیرے اور دولہا اور دلہن کے دیگر نامحرم رشتہ دار دیکھ رہے ہیں۔ اس کا لباس ایسا چست ہے کہ اس کے پوشیدہ اعضاء اور نشیب وفراز کی نمائش ہو رہی ہے۔ یہ کتنا بڑا گناہ ہے' اسی کو آنکھوں کا زنا کہا گیا ہے۔ پھر یہی نہیں' بلکہ دلہن نجانے کس کس سے گلے بھی مل رہی ہوتی ہے' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ کئی گھرانوں میں یہ رواج بھی ہے کہ دلہن کی گود میں دیور کو بٹھایا جاتا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم بت پرست لوگوں کے رسوم ورواج پوری طرح اپنا چکے ہیں' بلکہ ان میں گم ہو چکے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا وہ نمونہ عمل چھوڑ چکے ہیں جس کے متعلق فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:٢١)

''تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ (عمل) ہے''۔

آ گے چلئے! مخلوط طرزِ معاشرت میں دولہا کو خاص طور پر لانے کی تو ضرورت ہی نہیں ہوتی، وہ ازخود پہلے سے دلہن کے پہلو میں بیٹھا ہوتا ہے اور اپنی بیوی کی تعریفیں سن سن کر ''سن'' ہو چکا ہوتا ہے۔ جہاں ایک طرف دلہن سے نامحرم مرد لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں، وہاں دولہا کے اردگرد دلہن کی بہنیں، سہیلیاں اور دیگر نامحرم نوجوان لڑکیاں بھی منڈلا رہی ہوتی ہیں اور اپنی اداؤں اور حرکتوں سے روپے پیسے وصول کر رہی ہوتی ہیں۔

قرآن کے سائے تلے

ان تمام خرافات کے بعد وہ مرحلہ آ جاتا ہے کہ لڑکی کو رخصت کرتے ہوئے اس کو قرآن کے سائے تلے گزارا جاتا ہے۔ گویا قرآن پاک کی عملی طور پر بے حرمتی کے بعد استہزائیہ انداز میں ایک اور ثبوت فراہم کیا جاتا ہے کہ ہمیں دیکھو، اس کتاب مقدس کی تعلیمات کے برعکس ہمارے شب و روز گزر رہے ہیں۔ ہم اس کی اکثر خلاف ورزی بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کو مقدس آسمانی کتاب بھی سمجھتے ہیں۔ یہ ہماری عملی زندگی کے بے شمار گوشوں میں سے ایک گوشے کی انتہائی گھناؤنی تصویر ہے۔

لمحۂ فکریہ

ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ غیر مسلم تو اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ انہیں اپنی معاشرت اور ثقافت پر فخر ہے۔ وہ دوسرے مذاہب کی رسومات اور طرزِ معاشرت نہیں اپناتے۔ آخر ہم مسلمان کیوں دوسروں کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں؟ ہم جس دین کے پیروکار ہیں، وہ مکمل نظامِ زندگی ہے۔ اسلام نام ہے ایک فرد، معاشرت اور ریاست کی سطح تک زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی بندگی اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالانے کا۔ انبیاء علیہم السلام کے جدامجد جناب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ہمارا نام مسلمان رکھا۔ مسلمان کا مطلب فرماں بردار ہے، یعنی اللہ کے ہر حکم کو ماننے اور اُس پر عمل کرنے والا۔ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی بندگی اور فرماں برداری ہی وہ رنگ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ہم سب کو رنگا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہی خالص رنگ ہے، جسے ''صِبۡغَةُ اللّٰه'' کہا گیا ہے۔ اگر اس میں ملاوٹ ہوگئی تو وہ اللہ کو قبول نہ ہوگی۔ ہم رنگ ساز سے ایک کپڑا رنگواتے ہیں، اگر اس سے ہمارے کپڑے کے اوپر ایک دو دھبے کسی اور رنگ کے لگ جائیں تو ہم بہت سیخ پا ہوتے ہیں۔ اس سے ہم یہ کہہ کر کہ یہ کیسا ڈھب کھڑا رنگ کر دیا، دوبارہ رنگنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں اور دیکھیں کہ ''صِبۡغَةُ

اللّٰہ'' میں ہم نے کتنے رنگوں کے دھبے ڈال رکھے ہیں۔ یک رنگی (حَنیفًا مُسلمًا) دورنگی میں دب کر رہ گئی ہے۔ ہماری زندگی کی تصویر میں صبغۃ اللہ کے ساتھ کئی اور قسم کی بندگیوں کے رنگ بھرے ہوئے ہیں۔ پھر ایسی بندگی ہمارے ربّ کو کیسے پسند آئے گی؟

دینی بہنو اور بھائیو! آج نہ ہماری معاشرت اسلام کے مطابق ہے' نہ ہماری معیشت اسلامی ہے' نہ سیاست اسلامی طرز پر ہے' نہ ہماری رسومات اُسوۂ حسنہ سے مطابقت رکھتی ہیں' نہ ہماری عبادات خالص ہیں اور نہ ہی ہمارا عقیدہ توحید کے مطابق' بلکہ ہر چیز اغیار سے مستعار لی ہوئی ہے اور ہم پر اقبال کا یہ شعر صادق آتا ہے کہ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

جب ہماری حالت یہ ہے تو پھر خود ہی بتائیے کہ ہم کیسے مسلمان ہیں؟oo

حکمرانوں کے خلاف خروج کا مسئلہ (۲)

شیخ عبدالمنعم مصطفیٰ حلیم ابوالبصیر

اخذ وترجمہ: جواد حیدر

مسلمان عادل حکمران

گزشتہ کلام اور تمام تر تفصیلات ایسے حاکم سے متعلق تھیں جس کا کفر ظاہر و باہر ہو، جبکہ مسلمان عادل حکمران کے بارے میں گفتگو اور اس سے معاملہ کرنے کی صورت حال بالکل مختلف ہے۔ اس حوالے سے میں کہتا ہوں: مسلمان عادل حکمران ایسا حاکم ہے جو ملک وقوم پر حکومت کو اللہ کی طرف سے دی گئی ذمہ داری سمجھ کر زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام اور شرائع اسلام کا نفاذ کرے اور خود بھی دین کے ارکان وواجبات قائم کرنے والا ہو، نیز کبیرہ خطاؤں اور گناہوں سے محفوظ ہو۔

ایسی صفات سے متصف حاکم کی معروف کے مطابق اطاعت واجب ہے خواہ طوعاً ہو یا کرھاً۔ اس کی نصرت وتائید اور حمایت بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کی عزت و احترام۔ اس کی حفاظت اور اس کی نصیحتوں کو نرم خوئی سے قبول کرنا جیسے دیگر امور بھی واجب ہیں۔ اسی طرح اس کو دھوکا دینا، اس کے ساتھ غداری کرنا، اسے رسوا کرنا اور نازیبا گفتگو یا کسی بھی طریقہ سے اس کو یا اس کے نظام سلطنت کو برا سمجھنا حرام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے

(''بحث ونظر'' کے عنوان سے شائع ہونے والی تحریروں سے ادارۂ میثاق کا متفق ہونا ضروری نہیں!)

صاحب اقتدار ہوں۔ پس اگر کسی بھی معاملے میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کر دو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بہتر اور احسن فیصلہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ''اُولی الامر'' سے مراد مفسرین کے راجح قول کے مطابق علماء اور حکمران ہیں۔ اسی طرح لفظ ''مِنۡکُمۡ'' حصر کا فائدہ دے رہا ہے کہ اطاعت صرف ان حکمرانوں کی ہوگی جو تم میں سے ہوں، یعنی تمہارے دین، تمہاری ملت اور تمہارے عقیدے کے پابند ہوں، اور جو ایسا نہیں ہے وہ ظاہر ہے ''مِنۡکُمۡ'' کے دائرے میں نہیں آتا۔ لہٰذا اس کی اطاعت بھی تم پر واجب نہیں۔ مسلمان عادل حکمران سے متعلق نبی مکرم ﷺ سے صحیح حدیث میں مروی ہے، آپؐ نے فرمایا:

''اگر تمہارا امیر کان کٹا غلام بھی بنا دیا جائے (یعنی اطراف سے کٹا ہوا) اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہیں چلائے تو اس کی اطاعت و فرماں برداری کرو''۔ (۱۹)

اور فرمایا:

''جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس اس (اطاعت کشی) کی دلیل نہ ہوگی۔ اور جو اِس حال میں مرا کہ اس کے پاس بیعت کا پروانہ نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' (۲۰)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ سننے اور اطاعت کرنے والے کے خلاف کوئی دلیل نہیں جبکہ سننے اور نافرمانی کرنے والے کے حق میں کوئی دلیل نہیں۔'' (۲۱)

مزید فرمایا:

''جو اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے علیحدہ ہو گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' (۲۲)

آپ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن ہر باغی کے لیے جھنڈا ہوگا جو اس کی بغاوت کے اعتبار سے بلند کیا جائے گا۔ اور خبردار! امیر کے خلاف عام بغاوت کرنے والے سے بڑھ کر کوئی باغی نہیں۔'' (۲۳) یعنی جس نے امیر کی بغاوت کی اس حال میں کہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ تھا۔

نیز فرمایا:

''دین نصیحت و خیر خواہی ہے۔'' ہم (صحابہؓ) نے پوچھا کس کے لیے؟ فرمایا: ''اللہ، اُس کی کتاب، اُس کے رسول، مسلمانوں کے امیر اور عام لوگوں کے لیے''۔ (۲۴)

مزید فرمایا:

''تین اشیاء کے بارے میں قلبِ مؤمن نہیں چوکتا: (۱) اللہ کے لیے خلوصِ عمل (۲) حکمرانوں کو نصیحت (۳) جماعت کو لازم پکڑنا۔ بلاشبہ ان کی دعوت نے انہیں چہار اطراف سے گھیرے ہوتا ہے''۔(۲۵)

اور فرمایا:

''جو صاحب اقتدار کو نصیحت کرنا چاہے تو وہ اعلانیہ اس کا اظہار نہ کرے' بلکہ ہاتھ سے پکڑ کر علیحدہ لے جائے' اور اگر بات مان لی جائے تو فبہا اور اگر نہ مانی جائے تو اس نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔''(۲۶)

اور فرمایا:

''اپنے اُمراء کو گالیاں نہ دو' اُن کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ ہی ان پر غصہ کرو' اور اللہ سے ڈرو اور صبر سے کام لو۔ پس بلاشبہ قیامت قریب ہی ہے''۔(۲۷)

نیز فرمایا:

''جس نے اللہ کے منتخب کردہ امیر کی توہین کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی''۔(۲۸)

مزید فرمایا:

''جس نے اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ امیر کی تعظیم کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تعظیم کریں گے''۔(۲۹)

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

''پانچ افعال ایسے ہیں کہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کو سرانجام دے تو اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنے امیر کے پاس اسے مضبوط کرنے اور اس کا احترام کرنے کی نیت سے آئے.....''(۳۰)

ان کے علاوہ بھی بہت سی نصوص ہیں جو مسلمان حاکم کی عرف کے مطابق اطاعت کو لازم ٹھہراتی ہیں' (اس کے ساتھ ساتھ) اس کی عزت و احترام اور نصیحت کو اور اس کے خلاف بغاوت نہ کرنے کو یا کسی بھی معاملے میں اس کی مخالفت نہ کرنے کو لازم قرار دیتی ہیں۔

امام کی اطاعت مطلق نہیں بلکہ مقید ہوگی

اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ کیا مسلمان امیر اور حاکم وقت کی اطاعت مطلق ہوگی یا مقید؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی اطاعت عرف کے مطابق مقید ہوگی' یعنی ان معاملات میں جن

میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے، نہ کہ ان معاملات میں جو نافرمانی اور بطلان پر مبنی ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان پر پسند اور ناپسند ہر دو حالات میں سمع و طاعت واجب ہے جب تک انہیں معصیت کا حکم نہیں دیا جاتا۔ ہاں، جب معصیت کا حکم دیا جائے تو اس میں سمع و طاعت نہیں ہوگی''۔ (۳۱)

نیز فرمایا:

''نافرمانی کے معاملات میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف بھلائی کے امور میں ہے''۔ (۳۲)

نیز فرمایا:

''حکمرانوں میں سے کوئی اگر تمہیں نافرمانی کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہ کرو''۔ (۳۳)

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''امام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دے، جب معصیت کا کہے تو کوئی اطاعت نہیں''۔ (۳٤)

اور فرمایا:

''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرماں برداری کا کوئی جواز نہیں''۔ (۳۵)

مطلق اطاعت سے منع کرنے کی علت یہ ہے کہ نبی کے علاوہ ہر شخص مصیب بھی ہوسکتا ہے مخطی بھی، اس کی صحیح باتوں کو قبول کیا جاتا ہے جبکہ ناکارہ افکار کو رد کر دیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح امام کی اطاعت اور متابعت بھی ان معاملات میں جائز نہ ہوگی جن میں وہ خطا کا مرتکب ہو یا حق کی مخالفت کر رہا ہو۔

ایک اور جہت سے جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اطاعت ذاتی لحاظ سے صرف اللہ کا حق ہے۔ بندے کی اطاعت تو راست اور حق کے موافق امور میں کی جاتی ہے۔ اور اگر کسی آدمی کی اطاعت ذاتی لحاظ سے کی جائے تو یہ اسے اللہ کا شریک بنانے، اس کی عبادت کرنے اور اللہ کے خواص اور صفات کے ساتھ مماثل بنانے کے مترادف ہے۔

یہ نظام دنیا کے تمام خود ساختہ حکومتی نظاموں کے الٹ ہے، چاہے وہ آمریت ہو یا جمہوریت، کیونکہ دنیا کے تمام نظام لوگوں پر حاکم اور ان کے احکام و قوانین کی فرماں برداری لازم قرار دیتے ہیں، قطع نظر اس کے کہ وہ حق بات کے مخالف ہوں یا موافق، صحیح ہوں یا غلط۔

برابر ہے کہ یہ خود ساختہ حاکم شخص واحد کی صورت میں ہو یا پارلیمنٹ کے اراکین کی مجلس کی شکل میں، جن کی ذمہ داری احکامات وقوانین وضع کرنا ہوا کرتی ہے۔ گویا تمام زمینی نظام اپنی ظاہری شکل وصورت، نام اور جھنڈوں میں اختلاف کے باوجود انسانوں کو انسانوں کی ہی غلامی سکھاتے ہیں۔ یہ تنظیمیں جتنا بھی آزادی کا اظہار کریں اور اس بات کا بھی گمان کریں کہ انہوں نے انسانی آزادی کی خاطر خوب جنگ لڑی ہے، محکوم لوگوں پر انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی مطلقاً فرماں برداری لازم ٹھہراتی ہیں۔

مسلمان حکمران کے خلاف خروج کرنے والے باغی کا انجام

اگر کوئی شخص مسلم حکمران کے خلاف خروج کرے یا اس کی حکومت وولایت پر مزاحمت کرے تو اُمت پر اُس کو روکنا واجب ہو جاتا ہے، اور اگر وہ نہ رکے تو اس کے خلاف لڑائی کی جائے گی اور اسے بشمول اپنے ساتھیوں کے قتل کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

''جو امام کی بیعت کرے اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے خوش ہو کر تھپکی دے اسے چاہیے کہ حتی المقدور اس کی اطاعت کرے، اور اگر کوئی اور ایسا آئے جو اس سے تنازع کرے تو تم اس کی گردن تن سے جدا کر دو''۔ (۳۶)

نیز فرمایا:

''جب دو خلیفوں کے لیے بیعت لی جا رہی ہو تو تم دوسرے کو قتل کر دو''۔ (۳۷)

مزید فرمایا:

''جو تمہارے پاس اس حال میں آئے کہ تم ایک شخص پر متفق ہو اور وہ تمہاری قوت اور اجتماعیت کو پاش پاش کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو تم اسے قتل کر دو''۔ (۳۸)

اور فرمایا:

''عنقریب بہت سے مصائب ومشکلات آئیں گی، تو جو اس اُمت کی اجتماعیت میں تفریق پیدا کرے تو تم اسے تلوار سے قتل کر دو چاہے وہ جو بھی ہو''۔ (۳۹)

اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ کس سبب اور کس وجہ سے ان خروج کرنے والوں کو قتل کیا جائے گا؟ تو میرا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا خروج مسلم حکمرانوں کے خلاف کسی دینی شبہ کی بنا پر ہے، جیسا کہ خارجیوں نے حضرت علی بن ابی طالب ؓ کے خلاف کیا، تو ان کو زیادتی کرنے والے باغی ہونے کی بنا پر قتل کر دیا جائے گا —— اور اگر مسلمان حکمران کے خلاف خروج اور جنگ محض ریاست اور حکومت وولایت پر قبضے کی لالچ کی بنا پر ہو تو ان مفسدین کو قتل کر دیا جائے

گا اوران کا معاملہ ڈاکوؤں کی طرح کا ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)——اور اگر ان کا قتال وخروج عادل حکمران کی دینداری' اس کی اسلام پر استقامت والتزام اور شریعت کے احکام کو لاگو کرنے کی وجہ سے ہے تو ان کو مرتد' زندیق ہونے کی بنا پر قتل کر دیا جائے گا۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں نے مسیلمہ کذاب اوراس کے ہم نوا مرتدین کے ساتھ کیا۔

تنبیہہ

بعض معاصر علماء نے شاید خوف یا لالچ کی بنا پر مسلمان عادل حکمران سے متعلقہ ان نصوص اوراحکام کو دورِ حاضر کے ان کافر' طاغوتی اور مرتد حکمرانوں پر منطبق کیا ہے جن کے خلاف جہاد وقتال اور خروج نصاً اور اجماعاً واجب ہے۔ جیسا کہ کافر حکمران سے متعلق بحث میں گزرا۔ یہ علماء مسلم عوام کو خوف زدہ کر دیتے ہیں اور وہ اس کی تصویر کشی اس انداز سے کرتے ہیں کہ جس نے اس سے بڑھ کر جس پر وہ کاربند ہے اور جس میں وہ سرگرداں ہے' ان طاغوتی حکمرانوں کے خلاف خروج کا سوچا بھی تو اس کا مذکورہ بالا مسلم حکمران سے متعلق شرعی نصوص کی مخالفت کے زمرے میں آنا یقینی ہے۔ اوران شیوخ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اِن طاغوتی حکمرانوں کی صورت حال کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کے خلاف خروج کرنے والے خارجیوں پر قیاس کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہ دھوکہ دہی اور گمراہی ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر افترا بھی ہے۔ اور ہر غیرت مند مسلمان پر اللہ تعالیٰ کے دین اوراس کی حرمت کو نیز اپنی جان اوراپنے دین کے ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں اوراس اُمت کو ان علماءِ سوء کے دجل اور گمراہی سے بچانا فرض ہے۔ آخر کب تلک ان کی یہ ''زبان دانیاں'' جاری رہیں گی اوران کا نام اطرافِ عالم میں جھوٹی شہرت بنا رہے گا؟؟

مسلمان فاسق حکمران

مسلم فاسق حکمران ایسا حاکم ہے جو اسلام اوراس کے قوانین کے تحت حکم تو دیتا ہے لیکن عادل مسلم حکمران سے مختلف ہے۔ اس سے انفرادی یا اجتماعی سطح پر (ذاتی طور پر) بعض شرعی احکامات میں کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے جو اسے کفرِ اکبر سے تو بچائے رکھتی ہے لیکن فسق کے دائرے میں داخل کر دیتی ہے۔ فاسق حکمران کے بارے میں اصولی بات یہ ہے کہ اُمت کی جانب سے اسے برضا ورغبت منتخب نہ کیا جائے' کیونکہ اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

﴿قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ (البقرۃ)

''(اللہ ربّ العزت نے) فرمایا: میں تجھے لوگوں کا سردار بناؤں گا۔ (ابراہیم علیہ السلام) کہنے لگے: اور میری اولاد کو؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: جو ظالم ہیں ان تک میرا یہ اقرار نہ پہنچے گا۔''

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض گزاری کہ ان کی ذریت سے امام بنا دیا جائے تو اللہ ربّ العزت نے ان کی اولاد میں سے نافرمانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ (البقرۃ) کہ اس امامت کا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہے۔(۴۰)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے علماء کی ایک بڑی جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ امام کو عادل و محسن اور صاحب فضل لوگوں میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ امامت کے قیام کے لیے ذی قوۃ بھی ہونا چاہیے۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا حکم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ امامت کے معاملے میں اس کے اہل لوگ اس میں جھگڑا نہیں کرتے' اور رہے فاسق و فاجر اور ظالم لوگ تو وہ اس کے اہل ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت نے فرمایا: ﴿لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ (البقرۃ). نیز امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس امر میں اُمت میں اختلاف نہیں ہے کہ کسی فاسق سے امامت کا معاملہ کرنا (معاہدہ کرنا) جائز نہیں۔(۴۱)

لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی کی حکومت و فرماں روائی کے بارے میں اُمت مجبور و مقہور ہو جائے یا اُمت کی جانب سے کسی کے بطور ولی انتخاب کے بعد فاسق کرسیٔ امارت پر قابض ہو جائے تو کیا اُمت پر اس سے جھگڑا کرنا یا بزور تلوار اس کے خلاف نکل کھڑے ہونا جائز ہے؟ میں (مصنف) یہ کہتا ہوں کہ راجح بات یہ ہے کہ حکومت و اقتدار کے معاملے میں ایسے حکمران (یعنی جس کا فسق شدید درجے کا نہیں ہے) سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے' تاکہ خروج سے مرتب ہونے والے مفاسد و نقصانات سے بچا جائے' جو اس سے ظاہر ہونے والے انحرافات و نقصانات پر صبر کرنے سے زیادہ سخت اور شدید ہے۔ اسی پر شریعت کی نصوص دلالت کرتی ہیں اور یہی اہل سنت والجماعت کا ثابت شدہ عقیدہ ہے۔ ☆

☆ وہ حکمران جن کا فسق شدید درجے کو پہنچ جائے اور جو کھلم کھلا معصیت کے مرتکب ہوں' ان کا معاملہ آئندہ قسط میں مذکور ہے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے امیر میں ایسی بات دیکھتا ہے جو اسے ناپسند ہے تو اسے اس پر صبر کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو ایک بالشت جماعت سے دور ہوا اور اسی حال میں اسے موت آ گئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (۴۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا: ''میرے بعد تم سے ترجیحی سلوک ہوگا اور تم ایسے امور دیکھو گے جنہیں تم ناپسند جانو گے''۔ صحابہ کرام ؓ نے پوچھا تو ان حالات کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ تو نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم ان کے حقوق ادا کرتے رہنا اور اپنے حقوق اللہ سے مانگتے رہنا''۔ (۴۳)

ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ابن بطالؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں بغاوت کی ممانعت کی گئی ہے' اگرچہ حکمران ظالم ہی ہوں۔ اور فقہاء کا اجماع ہے کہ غاصب حکمران کی اطاعت واجب ہے۔ نیز اس کی معیت میں جہاد کرنا اور اس کی فرماں برداری اختیار کرنا اس کے خلاف خروج کرنے سے بہتر ہے' کیونکہ اسی میں زندگی کی حفاظت اور عوام الناس کا بھلا ہے۔ ان فقہاء کی دلیل مذکورہ حدیث اور اس کی تائید میں موجود دیگر روایات ہیں۔ نیز یہ کہ کفرِ صریح کے مرتکب حکمران جن کی فرماں برداری جائز نہیں ہے' کے علاوہ اس سے کوئی اور استثناء نہیں ہے' بلکہ حتی المقدور اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان ؓ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے انہیں فرمایا: ''امیر کی سمع وطاعت اختیار کرو اگرچہ تمہاری پیٹھ ٹھونک دی جائے اور تمہارا مال بھی لے لیا جائے' پھر بھی تم اسے سنو اور اطاعت کرو''۔ (۴۴)

حضرت سلمہ بن یزید الجعفیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے نبیؐ! اگر ہمارے اوپر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو اپنا حق تو طلب کریں لیکن ہمیں ہمارے حقوق سے محروم رکھیں تو (ان حالات میں) آپ ہمیں کیا حکم دیں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے ان سے اعراض برتا۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے پھر نظر انداز کیا' انہوں نے تیسری بار پھر پوچھا تو حضرت اشعث بن قیسؓ نے انہیں کھینچا۔ پھر نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم سنو اور اطاعت کرو' بلاشبہ اُن پر وہی ہے جس کے وہ ضامن ہیں اور تم پر وہ کچھ ہے جس کے تم کفیل ہو''۔ (۴۵)

نیز نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی پر کوئی امیر متعین کیا جائے اور وہ اس میں اللہ کی

نافرمانی کے کچھ امور دیکھے' تو معصیت الٰہی کے معاملات کو تو برا ضرور جانے' لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے''۔(٤٦)

انہی احادیث نبویہؐ میں سے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فتنوں پر صلح ہوگی اور پھر گمراہ داعی آئیں گے۔ اگر تو اس دن زمین میں کوئی خلیفہ پائے تو اسے لازم پکڑ اگرچہ تیرا جسم ڈھانچہ بنا دیا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے۔ اور اگر تجھے نہ ملے تو زمین میں کہیں دور نکل جا' اگرچہ تجھے اس حال میں موت آئے کہ تو درخت کے تنے سے کانٹے کھا رہا ہو''۔(٤٧)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی ہر تنگی و آسانی' ہر پسند و ناپسند میں بس سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر بوجھل ہو اور وہ (ظالم) تمہارا مال کھا جائیں اور تمہاری پشت پر ماریں''۔(٤٨)

حضرت نافعؒ سے مروی ہے' انہوں نے کہا کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خاندان اور اولاد کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لیے جھنڈا گاڑا جائے گا''۔ اور ہم نے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی بیعت (کے حکم کی شرائط) کے مطابق اس شخص کی بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑے دھوکے کا علم نہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی بیعت پر ایک شخص کی بیعت کی جائے اور پھر اسی سے لڑائی کی جائے۔ اور میں تم میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ کس نے (خلافت کے) اس معاملے میں اس کی بیعت کی یا بیعت سے ہاتھ کھینچا' ہاں مگر یہی چیز میرے اور اس کے مابین فیصلہ کرنے والی ہے۔(٤٩)

فتح الباری میں ابن الحجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب کسی امام کی بیعت منعقد ہو جائے تو اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ اور اس کے خلاف خروج بھی ممنوع ہوگا' اگرچہ وہ اپنے احکامات میں ظلم ہی کرے اور فسق کی وجہ سے اسے معزول بھی نہیں کیا جائے گا۔

امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں کہا ہے کہ اُن یعنی حکمرانوں کے خلاف خروج اور ان سے لڑائی مسلمانوں کے اجماع کی وجہ سے حرام ہے' اگرچہ وہ گنہگار اور ظالم ہوں' اور احادیث بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہیں جو میں نے ذکر کیا اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حاکم کو اس کے محض فسق کی بنا پر معزول نہیں کیا جائے گا۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اس کو نہ ہٹانے اور اس کے

خلاف خروج کے حرام ہونے کا سبب اس پر کھڑے ہونے والے فتنے' (ناحق) خون کا بہنا اور دوگروہوں میں فساد ہے' تو اس لیے اس کے معزول کرنے کا فتنہ اس کو باقی رکھنے سے بڑا ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ (ج ۱۴' ص ۴۷۲) میں لکھا ہے کہ کسی منکر کی روک تھام اس سے بڑے منکر سے کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ کار موجود ہونے کے باوجود تلوار کے ساتھ حکمرانوں کے خلاف خروج کرنا حرام کام ہے' کیونکہ اس سے محرمات کا ارتکاب ہوتا ہے (اور کسی بڑے واجب کو اس وقت ترک کرنا زیادہ بہتر ہے جب اس سے منکر اور گناہ بڑھتا ہو) اور جس واجب حکم کی تعمیل سے منکر اور گناہ کا ارتکاب ہوتا ہو تو اسے ترک کرنا زیادہ بڑا عمل ہے' اور حکمرانوں سے محض کسی گناہ کی وجہ سے ہی قتال کرنا شروع نہیں کر دیا جاتا' اگرچہ گناہ کی بعض نوعیّتوں' جیسے زنا وغیرہ میں' اگر قدرت میں ہو تو' قتل بھی کیا جانا چاہیے۔ ایسا نہیں ہے کہ جب کبھی کسی گناہ میں قتل جائز ہو تو اس کے ارتکاب پر حکام سے قتال کیا جائے' کیونکہ قتال کرنے کا فساد کسی بڑے گناہ کے فساد سے سخت شدید ہے جس کا مرتکب حکمران ٹھہرا۔

میری (مصنف کی) رائے یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج نہ کرنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہیں روکتا اور اس کے محلات میں حق کی پکار اور ضرورت و حاجت کے وقت حق کی موجودگی ایسی شے ہے جس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اور قوت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہونا بالکل دوسرا معاملہ ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میری جان پر قدرت رکھنے والے کی قسم! تم لازماً خیر کی بات کا حکم دیا کرو اور برائیوں سے روکا کرو۔ (اگر تم نے ایسا نہ کیا تو) قریب ہے کہ اس کے بدلے میں ایسا حکمران بھیج دے کہ جسے تم پکارو تو وہ تمہاری آواز بھی نہ سنے''۔ (۵۰)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''حق کو جان لینے کے بعد کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے ہرگز نہ روکے۔ حق کہنے سے نہ تو وہ موت کے قریب ہو جاتا ہے اور نہ ہی رزق سے دور''۔ (۵۱) نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلبؓ ایسا شخص ہے جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہو کر امر و نہی کا حکم دیتا ہے تو وہ اسے قتل کر دیتا ہے''۔ (۵۲) مزید فرمایا: ''افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے''۔ (۵۳) اور فرمایا: ''اللہ کے ہاں پسندیدہ جہاد ظالم حکمران کو کلمۂ حق کہنا ہے''۔

حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ہم جہاں بھی ہوں گے حق بات ہی کہیں گے' ہمیں اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ ہوگا۔(٥٤)

ان کے علاوہ شریعت کی بہت سی ایسی نصوص ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ابھارتی ہیں۔

ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کے نمونے اور حکمرانوں اور ظالم بادشاہوں کے بارے میں ان کے مخلص اور جرأت وشوکت پر مبنی موقف ہمارے سلف صالحین کی زندگیوں میں بے شمار ملتے ہیں۔(٥٥)

اس صورت میں اطاعت سلبی نہیں ہے جس میں نہ تو نیکی کا حکم اور برائی سے ممانعت ہے اور نہ ہی ظالموں کے سامنے حق کہنا' جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں' بلکہ یہ رشد وہدایت اور حکمتوں پر مبنی ایجابی اطاعت ہے جو باطل کے سامنے نہ تو ذلت ورسوائی اور حقارت پر مبنی ہے اور نہ ہی ظالموں کے اثر ورسوخ سے خوف کھانے والی۔(جاری ہے)

حواشی

(١٩) صحيح مسلم' ٢٢٨٧۔

(٢٠) صحيح مسلم' ح ٣٤٤١۔ ''مَاتَ مِيْتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ'' کا مطلب ہے کہ وہ ایسے مرا جیسے دَورِ جاہلیت میں کوئی جاہل مرا ہو جسے نہ تو امام کی پہچان ہے اور نہ ہی کسی کی اطاعت کا التزام ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ کافر مرا جیسے دَورِ جاہلیت میں کوئی جاہلی کفر پر مرتا تھا۔ بعض لوگوں نے ایسا بھی گمان کیا ہے' لیکن درست بات ملحوظ رہنی چاہیے۔

(٢١) اخرجه احمد وابن ابى عاصم فى السنة' وصححه الشيخ ناصر فى التخريج ' ح١٠٥٦۔

(٢٢) صحيح مسلم' ح ٣٤٣٦۔

(٢٣) صحيح مسلم' ح ٣٢٧٢۔

(٢٤) صحيح مسلم' ح ٨٢۔

(٢٥) اخرجه ابن ابى عاصم فى السنة' وصححه الشيخ ناصر فى التخريج' ح ١٠٨٦۔

(٢٦) اخرجه احمد والحاكم وابن ابى عاصم فى السنة وصححه الشيخ ناصر فى التخريج' ح ١٠٩٦۔

(٢٧) اخرجه ابن ابى عاصم فى السنة وصححه الشيخ ناصر فى التخريج' ح ١٠١٥۔

(۲۸) اخرجه الترمذی وابن ابی عاصم فی السنة وحسنه الشیخ ناصر فی التخریج، ح ۱۰۱۸۔

(۲۹) اخرجه الطبرانی وغیره، صحیح الجامع الصغیر، ح ۵۹۵۱۔

(۳۰) اخرجه احمد وابن ابی عاصم فی السنة وصححه الشیخ ناصر فی التخریج، ح۱۰۲۱۔

(۳۱) صحیح مسلم، ح ۳٤۲۳۔

(۳۲) متفق علیه، صحیح البخاری، ح ٦۷۱٦۔

(۳۳) اخرجه احمد وابن ماجه وابن حبان، السلسلة الصحیحة، ح ۲۳۲٤۔

(۳٤) السلسلة الصحیحة، ح ۷۵۲۔

(۳۵) صححه الشیخ ناصر فی التخریج، ح ۳٦۹٦۔

(۳٦) صحیح مسلم، ح ۳٤۳۱۔

(۳۷) صحیح مسلم، ح ۳٤٤٤۔

(۳۸) صحیح مسلم، ح ۳٤٤۳۔

(۳۹) صحیح مسلم، ح ۳٤٤۲۔

(٤۰) تفسیر القرطبی، ج۱، ص ۱۰۸۔

(٤۱) تفسیر القرطبی، ج۱، ص ۲۷۰۔

(٤۲) صحیح البخاری و صحیح مسلم۔

(٤۳) صحیح البخاری۔

(٤٤) صحیح مسلم۔

(٤۵) صحیح مسلم۔

(٤٦) صحیح مسلم۔

(٤۷) سنن ابوداوٗد، ومسند احمد، والسلسلة الصحیحة، ح ۷۹۱۔

(٤۸) مسند احمد، ابن حبان، ابن ابی عاصم فی السنة وصححه الشیخ ناصر فی التخریج، ح۱۰۷٤۔

(٤۹) صحیح البخاری۔

(۵۰) سنن الترمذی، ح۱۷٦۲۔

(۵۱) مسند احمد، وسنن الترمذی، وسنن ابن ماجه، والسلسلة الصحیحة، ح ۱٦۸۔

(۵۲) حاکم، السلسلة الصحیحة، ح۴۹۱۔

(۵۳) سنن ابی داوٗد، وسنن الترمذی، وسنن ابن ماجه، السلسلة الصحیحة، ح۴۹۱۔

(۵٤) صحیح البخاری، وصحیح مسلم۔

(۵۵) دیکھئے کتاب "الاسلام بین العلماء والاحکام" از عبدالعزیز لاهوری۔

1

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (47)

چاڈ (Chad)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

چاڈ (Chad)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

چاڈ : ایک نظر میں

پورا نام: جمہوریہ چاڈ
رقبہ: بارہ لاکھ چوراسی ہزار مربع کلومیٹر
آبادی: 98 لاکھ
دارالحکومت: نجمینہ (آبادی سات لاکھ)
زبانیں: فرانسیسی، عربی، سارا
نسلیں: دوسو سے زیادہ افریقی قبائل، عرب، فرانسیسی
مذہب: مسلمان 52 فیصد، عیسائی 35 فی صد، لامذہب 8 فیصد، دیگر 5 فیصد۔
شرح خواندگی: 48 فیصد
کل قومی پیداوار: 10.88 ارب ڈالر سالانہ
فی کس آمدنی: 1200 ڈالر
قابلِ کاشت رقبہ: 2.86 فی صد
زراعت: کپاس، جَو، باجرہ، مونگ، مونگ پھلی، چاول، آلو، مویشی
صنعت: تیل، پارچہ بافی، ڈبہ بند گوشت، بیئر، صابن سازی، سگریٹ

برآمدات: کپاس، مویشی، عربی گوند
درآمدات: مشینری، ٹرانسپورٹ، صنعتی اشیاء، تیل، غذا
تجارتی ساتھی: فرانس، امریکا، جرمنی، پرتگال، کیمرون، مراکش، ہالینڈ
کرنسی: افریقی فرانک
ٹیلی فون: 12 ہزار
موبائل: 65 ہزار
ریڈیو سٹیشن: اے ایم 2- ایف ایم 4
ٹی وی سٹیشن: ایک
ریلوے: صفر
سڑکیں: 33 ہزار کلومیٹر
بندرگاہ: صفر
کل فوج: 33 ہزار
اخبارات کی خواندگی فی ہزار: 2
کاروں کی تعداد فی ہزار: 5

وسطی افریقہ کا یہ مسلم ملک اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کا رُکن ہے۔ اسے عربی بولنے والے ''شاد'' یا ''تشاد'' کہتے ہیں۔ یہ ملک زمانۂ قدیم سے مختلف شاہراہوں کا مقام اِتصال رہا ہے۔ ایک زمانے میں طرابلس (لیبیا)، قاہرہ اور سوڈان سے تجارتی قافلے یہاں آیا کرتے تھے۔ یہی قافلے اس ملک میں اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بنے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں شمالی چاڈ میں مسلمانوں کی امارتیں قائم ہو چکی تھیں۔ پندرہویں صدی عیسوی میں جھیل چاڈ کے گرد و نواح کے لامذہب قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ سترہویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ صالح نامی کی تبلیغی کوششوں سے اسلام ودائی تک پھیل گیا۔ اس شہر کے ایک امیر ربیع زبیری کے دینی لگاؤ سے جنوبی چاڈ

بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

انیسویں صدی عیسوی میں یورپی ممالک نے براعظم افریقہ کی مختلف امارتوں پر اپنا اپنا تسلط قائم کرنا شروع کر دیا۔ شمالی اور مغربی افریقہ کی تسخیر کے بعد فرانس کو جھیل چاڈ پر قبضہ کرنے کی دھن سمائی۔ 1880ء کے لگ بھگ چاڈ میں مسلمانوں کی بہت سی امارتیں تھیں جن کا حکمران اعلیٰ امیر ربیع زبیری تھا۔ اُس نے فرانسیسی سامراج کے عزائم کو بھانپتے ہوئے علمِ جہاد بلند کیا اور جولائی 1889ء میں فرانسیسی فوج کو شکست دی۔ اگلے سال فرانسیسیوں کو کمک پہنچ گئی' جس کے نتیجے میں انہوں نے 22/اپریل 1890ء کو امیر ربیع زبیری پر فیصلہ کن فتح پا کر اُس کے دارالحکومت ''دکوا'' پر قبضہ کر کے بقیہ ملک پر بھی اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

1893ء۔ نومبر اور مارچ 1894ء کے معاہدوں کی رو سے فرانسیسیوں' انگریزوں اور جرمنوں نے جھیل چاڈ کے نواحی علاقوں کو آپس میں بانٹ لیا۔

1913ء۔ فرانس نے چاڈ کے مختلف علاقوں کو متحد کر کے ایک ہی سیاسی نظام میں منسلک کر دیا۔

1939ء۔ دوسری جنگ عظیم میں چاڈ فرانسیسی فوج کی بڑی چھاؤنی' اور مشرقی افریقہ اور بحیرۂ روم میں مقیم اتحادی افواج کے لیے رسد رسانی کا اہم مرکز تھا۔

1940ء۔ چاڈ پہلا ملک ہے جس نے اپنے مغربی ''آقا'' فرانس کے خلاف بغاوت شروع کی۔

1960ء۔ 11/اگست کو چاڈ فرانس سے مکمل آزادی حاصل کرتا ہے۔

1962ء۔ نئے آئین کے تحت پروگریسیو پارٹی کے قائد فرانکوئس ٹومبالبی کی قیادت میں واحد سیاسی پارٹی کی حکومت قائم کی جاتی ہے۔ باقی تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے۔

1963ء۔ مسلمانوں کی بغاوت کے نتیجے میں (کیونکہ اقتدار پر عیسائی قابض ہیں) مسلمان رہنماؤں کو گرفتار کر لیا جاتا ہے اور ہنگامی حالت نافذ کر دی جاتی ہے۔ نیا آئین بنایا جاتا ہے' جس کے تحت شمالی علاقے کے مسلمانوں اور جنوبی علاقے کے بنتو قبائل کے مطالبات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

1969ء۔ مسلمانوں اور بنتو قبائل میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان حریت پسند سرکاری عمارتوں اور کارخانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مسلمانوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے صدر ٹومبالبی فرانس سے فوجی امداد طلب کرتے ہیں۔

1975ء۔ جنرل فیلکس مالوم فوجی انقلاب برپا کر کے صدر بنتا ہے۔ صدر ٹومبالبی کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

1979ء۔ جنرل فیلکس کو ایک اور فوجی انقلاب کے ذریعے صدارت سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ ہر چند ماہ کے بعد حکومت تبدیل ہوتی ہے۔ شدید خانہ جنگی کی کیفیت میں لیبیا کے صدر کرنل معمر قذافی چاڈ کے دارالحکومت میں ٹینک بھیجتے ہیں۔ وہ صدر گوکنائی اودائی کی حمایت کرتے ہیں اور حسن ہبیرے کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لیبیا چاہتا ہے کہ چاڈ لیبیا میں مدغم ہو جائے۔

1982ء۔ حسن ہبیرے مصر اور سوڈان کی مدد سے اچانک ہلہ بول کر گوکنائی کی فوج کو شکست دیتے ہیں۔ گوکنائی ملک سے فرار ہو جاتے ہیں۔ حسن ہبیرے صدارت کا عہدہ سنبھال لیتے ہیں۔

1990ء۔ سابق وزیر دفاع اور تحریک نجات کے قائد ادریس دبائی حسن ہبیرے کی حکومت کا تختہ الٹ کر خود صدر بن جاتے ہیں۔ وہ اسمبلی توڑ دیتے ہیں اور آئین کو منسوخ کر دیتے ہیں۔

1994ء۔ نئے آئین کی تشکیل ہوئی جس کے ذریعے تمام سیاسی قیدیوں کو آزادی دے دی گئی۔

1996ء۔ ادریس دبائی نے انتخابات جیت لیے۔

2001ء۔ ادریس دبائی دوبارہ صدر منتخب ہوئے' تاہم ان کے خلاف ہر سال بغاوتیں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ اب تک چاڈ کے صدر ہیں۔ موسیٰ فاکی چاڈ کے وزیر اعظم اور ادریس دبائی کے قابلِ اعتماد ساتھی ہیں۔

2001ء۔ عالمی بینک کے تعاون سے 3.7 ارب ڈالر کے خرچے سے ایک پائپ لائن بچھانے کا منصوبہ بنایا گیا' جس میں چاڈ کے تیل کے کنوؤں کو کیمرون کے کنوؤں سے ملانے کا منصوبہ ہے' جس پر ابھی تک کام ہو رہا ہے۔ اس منصوبے کی تکمیل پر چاڈ کو ہر سال ڈھائی ارب ڈالر آمدنی کی توقع ہے۔

جغرافیائی خدوخال

چاڈ' یا شاد یا تشاد افریقہ کے مرکز میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں لیبیا' مغرب میں نائجر' نائیجیریا اور کیمرون' جنوب میں جمہوری وسطی افریقہ اور مشرق میں سوڈان واقع ہیں۔ سطح سمندر سے 228 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ چاڈ کی ندیاں موسمی ہیں جو سال کے بیشتر حصے میں خشک رہتی ہے۔ جنوبی پہاڑی سلسلے سے نکلنے والی ندیاں اپنا پانی چاڈ جھیل میں گراتی ہیں۔ چاڈ کا شمالی حصہ گرم ریگستان ہے جس میں سالانہ 15 سنٹی میٹر سے بھی کم بارش ہوتی ہے۔ چاڈ کا دارالحکومت نجمینہ (آبادی 98 لاکھ) ہے۔ دیگر شہروں میں مونڈو (آبادی 50 ہزار) اور سارہ (آبادی 50 ہزار) قابل ذکر ہیں۔

❁❁❁